مجموعہ نظم حالی

جس میں

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم نے خود اپنے
مختلف اوقات کی لکھی ہوئی پندرہ نظمیں درج کی ہیں

مع حیات حالی

برائے
امیدواران امتحان انٹرمیڈیٹ پنجاب یونیورسٹی

حسب فرمائش

شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب علوم مشرقی

گنپت روڈ۔ انارکلی لاہور

جولائی سنہ ۱۹۳۱ء

باراول | مطبوعہ کریمی پریس لاہور (باہتمام میر قدرت اللہ) | قیمت ۱۲ر

فہرست مضامین مجموعہ نظم حالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

۱۸۷۴ء میں جب کہ راقم پنجاب گورنمنٹ بکڈپو سے متعلق اور لاہور میں
مقیم تھا مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب
کی تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا۔ جو ہر مہینہ میں ایک بار
انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا۔ اس مشاعرہ کا مقصد تھا کہ ایشیائی شاعری
جو کہ دروبست عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہو گئی ہے اس کو جہاں تک ممکن ہو۔
وسعت دی جائے۔ اور اس کی بنیاد حقایق و واقعات پر رکھی جائے۔ یہ تحریک
اگر پندرہ برس پہلے کی جاتی۔ تو شاید اس پر کوئی ثمرہ مترتب نہ ہوتا۔ کیونکہ جو
لوگ ہندوستان میں اردو نظم پر تھوڑی یا بہت قدرت رکھتے تھے۔ وہ عشقیہ
مضامین کی ممارست سے شاعری کو عاشقی کا مرادف جانتے تھے۔ اور مبالغہ کو
شعر کے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ وہ واقعہ نگاری اور تصویر حقایق کو منصب
شاعری کے خلاف تصور کرتے تھے۔ انہوں نے مغربی انشاپردازی کا کوئی نمونہ

کبھی اپنی زبان میں نہیں دیکھا تھا جس پر وہ اپنی شاعری کی بنیاد رکھنے کے قابل
ہوتے۔ لیکن یہ تحریک خوش قسمتی سے ایسے وقت ہوئی۔ جب کہ اُردو زبان میں مغربی
خیالات کی رُوح پھونکی جا رہی تھی۔ لٹریچر میں بہت سی کتابیں اور مضامین انگریزی
سے اردو میں ترجمہ ہو گئے تھے۔ اور ہوتے جاتے تھے۔ دیسی اخباروں میں بھی
جن سے سنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کا اخبار خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل ہے۔
اکثر انگریزی آرٹیکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے۔ ان اسباب سے مغربی طرز
تحریر اور مغربی طرز بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں
گھر کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۸۷۰ء میں سرسید احمد خاں نے پرچہ
تہذیب الاخلاق جاری کیا تھا جس کے سبب سے مسلمانوں کے خیالات
میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے۔ بہت جلد ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔
اردو فارسی انشاپردازی کا قدیم طریقہ ان کی نظر میں نہایت سخیف اور
اور سبک معلوم ہونے لگا۔ اور اپنی شاعری کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے
اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اس وقت اُردو زبان میں موجود نہ
تھا۔ اور نہ اب تک موجود ہے۔ لیکن وہ جو مشہور ہے۔ کہ "دیوانہ را ہوئے بس
است" جدت پسند طبیعتوں پر جس قدر مغربی انشاپردازی کی لے اب تک
کھلی تھی۔ وہی ان کو لے اُڑی۔ بہت سے موزوں طبع اور بعضے کہنہ مشق
بھی جن پر قدیم شاعری کا رنگ چڑھ چکا تھا اس مشاعرہ میں شریک ہونے
لگے۔ اگرچہ یہ صحبت مدت تک بھی رہی۔ لیکن راقم صرف چار جلسوں میں
شریک ہونے پایا تھا۔ کہ بسبب ناموافقت آب و ہوا کے لاہور سے

تبدیل ہوکر دلی چلا آیا۔ مجھ کو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اس وقت کچھ آگاہی تھی۔ اور نہ اب ہے۔ نیز میرے نزدیک مغربی شاعری کا پورا پورا تتبع ایک ایسی ناکمل زبان میں جیسی کہ اردو ہے۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ سے اور اغراق سے بالطبع نفور تھی۔ اور کچھ اس نئے چرچے نے اس نفرت کو زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس بات کے سوا میرے کلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے انگریزی شاعری کے تتبع کا دعوے کیا جا سکے۔ یا اپنے قدیم طریقہ کے ترک کرنے کا الزام عاید ہو۔

چار مثنویاں جو اس مجموعہ میں سب سے اول درج کی گئی ہیں۔ یعنی برکھارت۔ نشاطِ امید۔ حبِ وطن اور مناظرۂ رحم و انصاف اسی مشاعرہ کی نظمیں ہیں۔ جو مشاعروں کی ترتیب کے موافق اس کتاب میں داخل کی گئی ہیں۔ ان کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو مشاعرہ مذکور سے کچھ تعلق نہیں ہے محض بہ تقاضائے وقت اور مقتضائے طبیعت یا بہ تحریک بعض اکابر قوم وقتاً بعد وقت و حیناً بعد حین ترتیب پا کر ان میں سے چند عام طور پر شایع ہو گئی ہیں۔ اور چند بالکل شایع نہیں ہوئیں۔ اور کچھ اخباروں وغیرہ کے ذریعے سے بعض احباب نے پبلک کی نظر کی ہیں۔

میرے اکثر دوست مدت سے متقاضی تھے۔ کہ اپنے تمام منظومات ایک جگہ جمع کر کے نکتہ نواز دوستوں سے داد۔ اور نکتہ گیر یاروں سے اپنے کلام کی اصلاح میں امداد لوں لیکن جو نظمیں عام طور پر شایع ہو چکی ہیں جیسے مدوجزر اسلام، مناجات بیوہ، حقوق اولاد، شکوۂ

ہند۔ وغیرہ ان کو اس مجموعہ میں داخل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اور دیوان، غزلیات وقطعات ورباعیات وغیرہ ہیں ابھی کچھ اور بڑھانا باقی تھا اس لیے ان کو چھوڑ کر باقی اکثر نظمیں جو ۱۸۷۴ء سے اب تک لکھی گئی ہیں سب ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں ؎

میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہم وطنوں سے جو کسی قسم کی جدت کو پسند نہیں کرتے معافی چاہتا ہوں۔ کہ اس مجموعہ میں ان کی ضیافتِ طبع کا کوئی سامان مجھ سے مہیا نہیں ہو سکا۔ اور ان صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی ماہیت سے واقف ہیں۔ اعتراف کرتا ہوں۔ کہ طرزِ جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ البتہ میں نے اردو زبان میں نئی طرز کی ایک ادھوری اور ناپائیدار بنیاد ڈالی ہے۔ اس پر عمارت چننی اور اس کو ایک قصرِ رفیع الشان بنانا ہماری آیندہ ہونہار اور مبارک نسلوں کا کام ہے۔ جن سے امید ہے۔ کہ اس بنیاد کو ناتمام نہ چھوڑیں گے ؎

پارۂ در خاکِ معنی تخمِ سعی افشاندہ ایم
بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخلِ باردار

برکھارت

(مرقومہ ۱۸۷۴ء)

گرمی کی تپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان — عارف کے لئے کتاب عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی — وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات — وہ کون ؟ خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد — اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

وہ آئی تو آئی جان میں جان — سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا — اور کھول رہا تھا آب دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زبان نکالے — اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سدھ

تھے شتر پڑے کچھار میں سست — گھڑیال تھے رود بار میں سست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا ان پہ تازیانہ
گرمی کا لگا ہوا تھا جھٹکا — اور انس نکل رہا تھا سب کا
طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اٹھتا تھا بگولے پہ بگولا
آتے تھے بدن پہ لو کے چلتے — شعلے تھے زمیں سے نکلتے
تھی آگ کا دے رہی ہوا کام — تھا آگ کا نام مفت بدنام
رستوں میں سوار اور پیدل — سب دھوپ کے ہاتھ سے بے کل
گھوڑوں کے نہ آگے اٹھتے تھے پاؤں — ملتی تھی کہیں جو روکھی چھاؤں
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک — پانی کی جگہ برستی تھی خاک
سینے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ باد سموم سے سوا تھی
بجھتی نہ تھی آتش درونی — لگتی تھی ہوا سے آگ دونی
رات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جانداروں پہ دھوپ کی تھی تنک
بستی میں تھا دن گنواتا کوئی — تہ خانے میں منہ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان — آتی تھی نظر نہ شکل انسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات — بیٹھے تھے وہ ہات پہ دھرے ہات
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا — یا پیاؤ پہ یا سبیل پہ تھا
تھا شہر میں قحط آدمی زاد — سلطان کا اک کنواں تھا آباد

۵ حاشیہ دیکھو اگلے صفحہ پہ

کل شام تلک تو تھے یہی طور — پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور

پُروا کی ندا سی چھڑ رہی ہے — پچھوا سے خدائی بھڑ رہی ہے

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا — اِک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی — اِک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہے جب کہ باڑھ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینہ کا ہے زمین پر دڑیڑا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی

سورج نے نقاب لی ہے منہ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر

باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے راہوار

ہے سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو

کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی — گو پاک ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر — پانی میں مگر کچھار میں شیر
زردار ہیں اپنے مال میں مست — قلاش ہیں اپنی کھال میں مست
ابر آیا ہے گھر کے آسمان پر — کلمے ہیں خوشی کے ہر زبان پر
مسجد میں ہیں وردِ اہلِ تقویٰ — یَا رَبَّ لَنَا وَلَا عَلَیْنَا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری میگھ راجا
کرتے ہیں گرد گرو گرنتھی — گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملار گاتا — ہے دل میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے
ہر دن کوئی گا رہا ہے بیٹھا — چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا
رکھشک جو بڑے ہیں جین مت کے — ڈھکنے ہیں دیوں پہ ڈھکتے پھرتے
کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھیا — تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا

ہیں شکر گزار تیرے برسات — انسان سے لے کے تا جمادات
دنیا میں بہت تھی چاہ تیری — سب دیکھ رہے تھے راہ تیری
تجھ سے ہے کھلا یہ رازِ قدرت — راحت ملتی ہے بعدِ کلفت
شکر یہ فیض عام تیرا — پیشانیِ دہر پہ ہے لکھا
گلشن کو دیا جمال تو نے — کھیتی کو کیا نہال تو نے

طاؤس کو ناچنا بتایا | کوئل کو الاپنا سکھایا
جب مور ہے ناچنے پہ آتا | آپے سے ہے اپنے گزرا جاتا
کوئل کو نہیں قرار اک پل | ایسی کوئی تو نے کوک دی کل
شب بھر میں ہوا سماں دگرگوں | کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں
سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا | اٹھے تو سماں ہے آم کا سا
لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن | کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن
امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ | اک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ
دریا تجھ بن سسک رہے تھے | اور کھیت تری راہ تک رہے تھے
دریاؤں میں تو نے ڈالدی جان | اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان
جن جھیلوں میں کل تھی خاک اڑتی | ملتی نہیں آج تھاہ ان کی
جو دانے تھے خاک میں پریشان | سب آکے چڑھائے تو نے پروان
دولت جو زمین میں تھی مخفی | آگے ترے اس نے سب اگل دی
پڑتے تھے ڈلاڈ جس زمیں پہ | واں سبزہ و گل ہیں جلوہ گستر
جن پودوں کو کل تھے ڈھور چرتے | باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے
جن باغوں میں اڑتے تھے بگولے | واں سیکڑوں اب پپیہے ہیں بولے
تجھ بن تھے جس زمیں پہ اشجار | ہے سبزے پھولوں سے گلزار

گھر باغوں میں جا بجا کھڑے ہیں | جھولے ہیں کہ دیو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن | جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن

ہیں پھول رہی خوشی سے ساری — اور جھول رہی ہیں باری باری

جب گیت ہیں سارے مل کے گاتی — جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی

اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے — اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے

ہے ان میں کوئی ملار گاتی — اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی

گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا — کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اک جھولے سے گر رہی ہے جا کر — سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں — تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں

گھڑنائی پہ ہے سوار کوئی — اور تیر کے پہنچا پار کوئی

بگلوں کی ہیں ڈاریں آ کے گرتی — مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی

جنگلے میں پپیہا [illegible] — [illegible] ہیں پیڑ سے جا کے لگتے

ڈبروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی — موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی

ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں — موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں

ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان — بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان

مسجد [illegible] کی رو بھی زور پہ ہے — تھپلی کو بھی یہاں کا خطر ہے

بیزار اک اپنے جان و تن سے [1] — بچھڑا ہوا صحبت وطن سے

---

[1] یہاں سے اخیر تک کچھ اشعار بہ رعایت موسم اپنے حسب حال بے اختیار قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔ ان دنوں کچھ امراض اور دیگر عوارض کی وجہ سے لاہور میں رہتا تھا۔ فی الواقع

غربت کی صعوبتوں کا مارا | چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا
غم خوار ہے کوئی اور نہ دلجو | اک باغ میں ہے پڑا اب جو
ہیں وحشیاں میں کلفتیں سفر کی | آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اٹھا | اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا،
برق آ کے لگی تڑپنے پیہم | اور پڑنے لگی پھوار کم کم
آنے جو لگے ہوا کے جھوکے | تھے جتنے سفر کے رنج بھولے
ساماں ملے جو دل لگی کے | یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
دیکھے کوئی اس گھڑی کا عالم | وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم
وہ آپ ہی آپ گن گنانا | اور جوش میں آ کبھی یہ گانا
اے چشمۂ آب زندگانی، | گھٹیو نہ کبھی تری روانی
جاتی ہے جدھر تری سواری | بستی ہے اسی طرف ہماری
پائے جو کہیں مری سبھا کو | دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اول کہیو سلام میرا | پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنی لکھا | فرقت میں تمہاری آئی برکھا
آتا ہے تمہارا دھیان جس دم | مرغابیاں تیرتی ہیں باہم
ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر | تالاب میں تیرتے تھے جا کر
جب سبزہ و گل ہیں لہلہاتے | صحبت کے مزے ہیں یاد آتے

م نہایت شاق معلوم ہوتا تھا اور وطن کی طرف واپس آنے کیلئے کوشش کی جاتی تھی۔

ہم تم یونہیں ہاتھ میں دیے ہات — پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات

جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا — ہیں تم کو ادھر ادھر ہوں تکتا

آخر نہیں پاتا جب کسی کو — دیتا ہوں دعائیں بے کسی کو

رُت آم کی آئے اور نہوں یار — جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار

تم بن جو ہے بوند تن پہ پڑتی — چنگاری سی ہے بدن پہ پڑتی

ہے سرد ہوا بدن کو لگتی — پر دل میں ہے آگ سی سلگتی

پردیس میں سچ ہے کیا ہو جی شاد — جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد

نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی — فریاد یہ دردناک اس کی

تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز — پکڑا دل سن کے اس کی آواز

حیرت رہی دیر تک کہ آخر — روتا ہے کہاں کا یہ مسافر

پھر غور سے اک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

نشاطِ امید

(مرقومہ ۱۸۷۴ء)

اے مری امید مری جاں نواز
اے مری دلسوز مری کارساز

میری سپر اور مرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ

عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور دشت میں مری رفیق

کاٹنے والی غمِ ایام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی

دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دکھ
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ

تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
تو نے اٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ

جی کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج
کھول دیئے تو نے قناعت کے گنج

تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس

خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو
عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو

نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو

رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو
پانڈوؤں کے بھی ساتھ پھری بن میں تو

تو نے سدا قیس کا بہلایا دل
تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل

ہو گیا فرہاد کا قصہ تمام
پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام

تو نے ہی اپنے کی یہ بندھوائی آس
ہجر تھی فرقت میں بھی کو پاس

ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب

ہاتھ میں جب آکے لیا تو نے ہاتھ
سات سمندر سے گذرنا ہے بات

ساتھ ملا جس کو ترا دو قدم
کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم

گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ
سامنے ہے تیرے گیا اور پراگ

عزم کو جب تیری ہے تائید حسبت
گنبد گردوں نظر آتا ہے پست

تو نے دیا آکے ابھارا جہاں
سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہاں

ذرے کو خورشید میں تو نے کیا
بندے کو اللہ سے تو نے ملا

دونوں جہاں کی ہے بنا تجھ سے پڑ
دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ

نیکیوں کی تجھ سے ہے قائم اساس
تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس

دین کی کچھ ہو نہ کہیں پرسش نہ ہو
تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو

رشک جناں ہیں ترے رخت گل
تو نے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل

دل کو لبھاتی ہے کبھی بن کے حور
گاہ دکھاتی ہے شراب طہور

نام ہے سدرہ کبھی طوبیٰ ترا
روز نرالا ہے تماشا ترا

کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل
خلد میں سب تیرے ہی ذات جلیل

سب ہیں سر پنجہ میں تیرے لگے
ہے کہیں فردوس کہیں ہے سورگ

چھوٹ گئے سارے قریب و بعید
ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی امید

تیرے ہی دم سے لیے دن تھے سخت
تیرے ہی دم سے تھے تاج و تخت

غائبوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند
تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہے کون و مکان
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہان

کوئی پڑا پھرتا ہے بہر معاش
ہے کوئی اکسیر کو کرتا تلاش

ایک تمنا میں ہے اولاد کی
ایک کو دلدار کی ہے لو لگی

ایک کو ہے دھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے
دھوم سے اولاد کی شادی رچائے

ایک کو کچھ آج اگر مل گیا
کل کی ہے یہ فکر کہ کھائیں گے کیا

قوم کی بہبود کا بھوکا ہے ایک
جس میں ہوں ان سب کے لئے انجام نیک

ایک کو ہے تشنگی قرب حق
جس نے کیا دل سے جگر تک شق

جو ہے غرض اس کو نئی جستجو
لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے مگر باغ باغ
گل کوئی ہونے نہیں پاتا چراغ

سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مراد
کہتی ہے جب تو کہ اب آئی مراد

وعدہ ترا راست ہو یا ہو دروغ
تو نے دیئے ہیں اسے کیا کیا فروغ

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو
رکھتی ہے ہر ایک کو خورسند تو

بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل
تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل

تلخ کو چاہے تو تو شیریں کرے
بزم عزا کو طرب آگیں کرے

آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس
رکھے غنی اس کو ہے جس کے پاس

پاس کا پاتی ہے جو تو کچھ لگاؤ
سیکڑوں کرتی ہے اتار اور چڑھاؤ

آنے نہیں دیتی دلوں پہ ہراس
ٹوٹنے نہیں دیتی طالب کی آس

جن کو میسر نہیں کملی بھی
خوش ہیں وہ تو تجھ پہ رضائیت کی

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم — آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے — حوصلہ کا لگتا ہے جی چھوٹنے

ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ — عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے — پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح — یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا — اڑتا ہے خاکہ کبھی تدبیر کا

ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی — ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل — کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جہیں — رخت سفر یاس نے باندھا وہیں

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی — ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحت جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے امید

حبِّ وطن

(مرثیہ ۱۸۷۴ء)

اے سپہر بریں کے سیارو ‏ ‏ اے فضائے زمیں کے گلزارو

اے پہاڑوں کی دلفریب فضا ‏ ‏ اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

اے عنادل کے نغمۂ سحری ‏ ‏ اے شبِ ماہتاب تاروں بھری

اے نسیم بہار کے جھونکو ‏ ‏ دہرِ ناپایدار کے دھوکو

تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز ‏ ‏ تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رہنا ‏ ‏ تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے ‏ ‏ تم مرے درد دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی ‏ ‏ تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمہاری بھاتی تھی ‏ ‏ جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری ‏ ‏ دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے ‏ ‏ ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب ‏ ‏ دھو کے اُٹھتے تھے دل کے داغ شتاب

کوہ و صحرا و آسمان و زمیں ‏ ‏ سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں

پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار
نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے — نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے
سیر گلشن ہے جی کا اک جنجال — شب مہتاب جان کو ہے وبال
کوہ و صحرا سے تا لب دریا — جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں — تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں
ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور — یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور
گو وہی ہم ہیں اور وہی دنیا — پر نہیں ہم کو لطف دنیا کا

اے وطن اے مرے بہشت بریں — کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں
رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا — وہ زمین اور وہ آسماں نہ رہا
تیری دوری ہے مورد آلام — تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام
کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے — گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے
مٹ گیا نقش کامرانی کا — تجھ سے تھا لطف زندگانی کا
جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا — ان کو کیا ہوگا زندگی کا مزا
ہو گیا یہاں تو دو ہی دن میں یہ حال — تجھ بن ایک ایک پل ہے ایک اک سال
سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے — یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے
میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار — یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں؟ — اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں
جن و انسان کی حیات ہے تو — مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو

ہے ثباتِ نت کا تجھ سے
رد کچھ تجھ بن سرے نہیں ہوتے
سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشوونما
سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا
تیری اک مشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے
جان جب تک نہ ہو بدن سے جدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جدا

حملہ جب قوم آریا نے کیا
اور بجا ان کا ہند میں ڈنکا
ملک والے بہت سے کام آئے
جو بچے وہ غلام کہلائے
شودر کہلائے راکشش کہلائے
رنج پردیس کے مگر نہ اٹھائے
گو غلامی کا لگ گیا دھبا
نہ چھٹا ان سے دیس پر نہ چھٹا

قدر اے دل وطن میں رہنے کی
پوچھیے پردیسیوں سے جی کوئی
جب ملا رام چندر کو بن باس
اور نکلا وطن سے ہو کے اداس
باپ کا حکم رکھ لیا سر پر
پر چلا ساتھ لے کے داغ جگر
پاؤں اٹھتا تھا اس کا بن کی طرف
اور کھچتا تھا دل وطن کی طرف
گزرے غربت میں اس قدر جو سال
پر نہ بھولا اجودھیا کا خیال
دیس کو بن میں جی بھٹکتا رہا
دل میں کانٹا سا اک کھٹکتا رہا
تیر اک دل میں آ کے لگتا تھا
آتی تھی جب اجودھیا کی ہوا

کٹتے چودہ برس ہوئے تھے محال
گویا ایک ایک جگ تھا ایک اک سال

ہوئے یثرب کی سمت جب راہی — سید البطحیٰ کے ہمراہی
رشتے الفت کے سارے توڑ چلے — اور بالکل وطن کو چھوڑ چلے
گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا — پر وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
دل لگی کے بہت ملے ساماں — پر نہ بھولے وطن کی ریگستان
دل میں آٹھوں پہر کھٹکتے تھے — سنگریزے زمین بطحا کے
گھر جفاؤں سے جن کی چھوٹا تھا — دل سے رشتہ نہ ان کا ٹوٹا تھا

ہوئیں یوسف کی سختیاں جب دور — اور ہوا ملک مصر پر مامور
مصر میں چار سو تھا حکم رواں — آنکھ تھی جانب وطن نگراں
یاد کنعاں جب اس کو آتی تھی — سلطنت ساری بھول جاتی تھی
دکھ اٹھائے تھے جس وطن میں سخت — تاج بھاتا تھا اس بغیر نہ تخت
جن سے دیکھی تھی سخت بے مہری — لو تھی ان بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حب وطن میں گو ہیں غرق — ہم میں اور ان میں ہے مگر یہ فرق
جس نے یوسف کی داستاں ہے سنی — جانتا ہوگا روئداد اس کی
مصر میں قحط جب پڑا آ کر — اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر
کر دیا وقف ان پہ بیت المال — لب تک آنے دیا نہ حرف سوال
کھتیاں اور کوٹھے کھول دیئے — نقد سارے ذخیرے تول دیئے
قافلے خالی ہاتھ آتے تھے — اور بھر بھر یہاں سے جاتے تھے

یوں گئے قحط کے وہ سال گزر — جیسے بچوں کی بھوک وقت سحر

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار — خواب غفلت سے ہو ذرا بیدار

او شراب خودی کے متوالے — گھر کی چوکھٹ کو چومنے والے

نام ہے کیا اسی کا حب وطن — جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن

کبھی بچوں کا دھیان آتا ہے — کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے

یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی — تو کبھی اہل شہر کی ہے لگی

نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار — پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار

کیا وطن کی یہی محبت ہے؟ — یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے؟

اس میں انساں سے کم نہیں ہیں رند — اس سے خالی نہیں چرند و پرند

ٹکڑے ہوتے ہیں سنگ غربت میں — سوکھ جاتے ہیں روکھ فرقت میں

جا کے کابل میں آم کا پودا — کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا

آ کے کابل سے یاں بہی و انار — ہو نہیں سکتے بارور زنہار

مچھلی جب چھوٹتی ہے پانی سے — ہاتھ دھوتی ہے زندگانی سے

آگ سے جب ہوا سمندر دور — اس کو جینے کا پھر نہیں مقدور

گھوڑے جب کھیت سے بچھڑتے ہیں — جان کے لالے ان کو پڑتے ہیں

گائے یا بھینس اونٹ یا بکری — اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

کہیے حب وطن اسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد! / نوع انساں کا جس کو سمجھیں فرد
جس پہ اطلاق آدمی ہو صحیح / جس کو حیواں پہ دے سکیں ترجیح
قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے / قوم کا حال بد نہ دیکھ سکے
قوم سے جان تک عزیز نہ ہو / قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو
سمجھے ان کی خوشی کو راحت جاں / واں جو نوروز ہو تو عید یہاں
رنج کو ان کے سمجھے مایۂ غم / واں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم
بھول جائے سب اپنی قدر جلیل / دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل
جب پڑے ان پہ گردش افلاک / اپنی آسائشوں پہ ڈالدے خاک

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو! / اٹھو اہل وطن کے دوست بنو!
مرد ہو تو کسی کے کام آؤ / ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ
جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ / دل کو دکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ
پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک / کرو دامن سے تا گریباں چاک
کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ / ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ
کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار / زندگی سے ہے جن کا دل بیزار
نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا / ان کو وہ خواب میں نہیں ملتا
جس پہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو / واں میسر نہیں وہ اوڑھنے کو
کھاؤ تو پہلے لو خبر ان کی / جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی
پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ / کہ ہے اترن تمہاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر — ہے کوئی ان میں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند — کوئی آزردہ ہے کوئی خورسند

متقیو! بدبدوں کو یاد کرو — خوش دلو تم دکھے دلوں کو شاد کرو

جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ — تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ

ہیں ملے تم کو چشم و گوش اگر — لو خبر جا کے کور و کر کی شتاب

تم اگر ہات پاؤں رکھتے ہو — لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو

تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ؟ — رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر — نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اس میں یا ہندو — بودھ مذہب ہو یا کہ برہمو

جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی — جین مت ہووے یا ہو ویشنوی

سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو — سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو

ملک ہیں اتفاق سے آزاد — شہر ہیں اتفاق سے آباد

ہند میں اتفاق ہوتا اگر — کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر

قوم جب اتفاق کھو بیٹھی — اپنی پونجی سے ہات دھو بیٹھی

ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ — لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ

پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی — جو نہ آئی تھی وہ بلا آئی

پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے — ملک پر سب کے ہات پڑنے لگے

کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا — کبھی درانیوں نے زر لوٹا

کبھی نادر نے قتل عام کیا — کبھی محمود نے غلام کیا

سب کے سب حضرت کو لے گئی بازی | ایک شائستہ قوم مغرب کی
یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام | کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام
ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم | پڑتی جو سر پہ وہ اٹھاتے تم
ملک روندے گئے ہیں پیروں سے | چین کس کو ملا ہے غیروں سے

قوم سے جو تمہارے ہیں برتاؤ | سوچ لے میرے پیارے اور شرماؤ
اہل دولت کو ہے یہ استغنا | کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا
شہر میں قحط کی دوہائی ہے | جان عالم لبوں پہ آئی ہے
بھوک میں ہے کوئی نڈھال پڑا | موت کی مانگتا ہے کوئی دعا
بچے اک گھر میں بلبلاتے ہیں | روکے ماں باپ کو رلاتے ہیں
کوئی پھرتا ہے مانگتا در در | ہے کہیں پیٹ سے بندھا پتھر
پر جو ہیں ان میں صاحب مقدور | ق | ان میں کتنے سے ہونگے ایسے غیور
کہ جنہیں بھائیوں کا غم ہوگا | اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا
جتنے دیکھوگے پاؤگے بے درد | دل کے نامرد اور نام کے مرد
عیش میں جن کے کٹتے ہیں اوقات | عید ہے دن تو شبرات ہے رات
قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے | کام انہیں اپنے حلوے مانڈے سے
ان کو اب تک خبر نہیں اصلا | شہر میں بھاؤ کیا ہے غلے کا
غلہ ارزاں ہیں ان دنوں کہ گراں | کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں
کال کیا شے ہے کس کو کہتے ہیں بھوک | بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک

سیر ہو سکے کی قدر کیا سمجھے | اس کے نزدیک ہیں سب پیٹ بھرے

اہل دولت کا سن چکے تم حال | اب سنو رد پیدا اہل کمال
فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد | پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد
ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا | ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا
ہٹتے دو اہل علم ہیں اس طرح | پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح
عیدو[1] والوں کا ہے اگر پٹھا | شیخو والوں میں جا نہیں سکتا
شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار | خوشنویسوں کو ہے یہی آزار
لاکھ نیکیوں کا کیوں نہ ہو اک نیک | دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک
اس پہ طرہ یہ ہے کہ اہل ہنر | دور سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر
ملی ایک گانٹھ جس کو ہلدی کی | اس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری
نسخہ اک طب کا جس کو آتا ہے | سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے
جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ | ہے ہماری طرف سے وہ گونگا
جس کو ہے کچھ رمل میں معلومات | وہ نہیں کرتا سیدھے منہ سے بات
باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا | بھید پاتا نہیں منجم کا
کام کندلے کا ہے جس کو معلوم | ہے زمانہ میں اس کے بخل کی دھوم

---

[1] عیدو والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو مقابل گروہ دلی میں تھے جن میں سے ایک کے سرگروہ اور استاد کا نام عیدو اور دوسرے کا شیخو تھا۔

الغرض جس کے پاس ہے کچھ چیز / جان سے بھی سوا ہے اس کو عزیز
قوم پر ان کا کچھ نہیں احسان / ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکساں
سب کمالات اور ہنر ان کے / قبر میں ان کے ساتھ جائیں گے
قوم کیا کہہ کے ان کو روئے گی / نام پر کیونکہ جان کھوئے گی
تربیت یافتہ ہیں جو یہاں کے / خواہ بی اے ہوں ان میں یا ایم اے
بھرتے حب وطن کا گو دم ہیں / پر محب وطن بہت کم ہیں
قوم کو ان سے جو امیدیں تھیں / اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں
ہمسری ان کی اور جو کرتی / سات پردوں میں منھ چھپائے ہیں پڑی
بند اس قفل میں ہے علم ان کا / جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا
لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے / گویا گونگے کا گڑ ہیں کھائے ہوئے
کرتے پھرتے ہیں سیر گل تنہا / کوئی پاس ان کے جا نہیں سکتا
اہل انصاف. شرم کی جا ہے / گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے
تم نے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ / تم نے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ
یہ جو دولت تمہارے پاس ہے آج / ہموطن اس کے ہیں بہت محتاج
منہ کو ایک اک تمہارے ہے تکتا / کہ نکلتا ہے منہ سے آپ کے کیا
آپ شائستہ ہیں تو اپنے لئے / کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کئے
میز کرسی اگر لگاتے ہیں آپ / قوم سے پوچھئے تو پن ہے نہ پاپ
منڈا اچھا اگر آپ کو ہے پسند / قوم کو اس سے فائدہ نہ گزند
قوم پر کرتے ہو اگر احسان / تو دکھاؤ کچھ اپنا جوش نہاں

کچھ دنوں پیش میں تحصیل ڈالو ‏ پیشہ میں جو ہے سب آگے ڈالو
علم کو کر دو کو بہ کو ارزاں ‏ ہند کو کر دکھاؤ انگلستان
بنتے ہو سامعین با تمکین ‏ بنتے ہو حاضرین صدر نشین
جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد ‏ بندۂ قوم ان کے ہیں زن و مرد
باپ کی ہے دعا یہ بہر پسر ‏ قوم کی ہیں بنا اس کو سپر
ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد ‏ قوم پر ہے نثار ہو اولاد
جھلی آپس میں کیسے ہیں جہاں ‏ تم اگر مال دو تو ہیں زر دل عیاں
اہل ہمت کمک کے لاتے ہیں ‏ ہم وطن فائدے اٹھاتے ہیں
کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری ‏ دخل اور خرچ جن کے ہیں بھاری
اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم ‏ بحث حکمت و ادب قائم
نت نئے کھلتے ہیں دوا خانے ‏ بنتے ہیں سیکڑوں شفا خانے
ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر ‏ قوم پر ان کی فرض ہے تدبیر
ہیں سدا اس ادھیڑ بن میں طبیب ‏ کہ کوئی نسخہ ہات آئے عجیب
قوم کو پہنچے منفعت جس سے ‏ ملک میں پھیلیں فائدے جس کے
رسم بد کا اثر جہاں پایا ‏ حملہ پر حملہ اس پہ ہونے لگا
کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر ‏ کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر
ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے ‏ دوسرا اس کو کر دکھاتا ہے
لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں ‏ آخر اس کو مٹا کے چھوڑتے ہیں
قوم کی خاطر ان کے ہیں سب کام ‏ خواہ اس میں سفر ہو خواہ مقام

سیکڑوں تکل رنج اور مصیبت سے
ق لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے

جان اپنی لئے ہتھیلی پہ
کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر

شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے
پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے

جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل
ملک کا آئے کوئی کام نکل

کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں
مر گئے سیکڑوں پہاڑوں میں

لکھے جب تک جئے سفر نامے
چل دیئے ہاتھ میں قلم تھامے

گو سفر میں اٹھائے رنج کمال
کر دیا پر وطن کو اپنے نہال

ہیں اب ان کے گواہ حب وطن
در و دیوار پیرس و لندن

کہیئے دنیا کا جس کو باغ جناں
ہے فرانس آج یا ہے انگلستان

کام ہیں سب بشر کے ہموطنو!
تم سے بھی ہو سکیں تو مرد بنو

چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ
بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ

قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں
رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں

قافلوں سے اگر ملا چاہو
ملک اور قوم کا بھلا چاہو

گر رہا چاہتے ہو عزت سے
بھائیوں کو نکالو ذلت سے

ان کی عزت تمہاری عزت ہے
ان کی ذلت تمہاری ذلت ہے

قوم کا مبتذل ہے جو انسان
بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطان

قوم دنیا میں جس کی ہے ممتاز
ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز

عزت قوم چاہتے ہو اگر
جا کے پھیلاؤ ان میں علم و ہنر

ذات کا فخر اور نسب کا غرور
اٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور

اب نہ سید کا افتخار صحیح　　نہ برہمن کو شدر پہ ترجیح
ہوئی ترکی تمام خانوں کی　　کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی

قوم کی عزت اب ہنر سے ہے　　علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دور آئے گا　　بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات　　یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حالی کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

مناظرۂ رحم و انصاف

(مرتبہ ۱۸۷۶ء)

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا / کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیا میں بڑا
نیکنامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں / حال سنتے ہیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں
دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں / آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں
اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں / دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں
قتل انساں ہمیشہ سے ہے عادت تیری / سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری
جان اور مال سے نمرود کو کھویا تو نے / اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے
فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے / آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے
قید خانوں میں جہاں کے ہے پڑا غل تیرا / جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا
تیرے فتوے پہ کروڑوں کٹے سر تن سے جدا / اور ترے حکم سے لاکھوں ہی چھٹے مسکن سے جدا
لطف ہے تیری طبیعت میں نہ جوش غضب / تجھکو خوردوں پہ نہ شفقت نہ بزرگوں کا ادب
کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا / تجھ سے خوش رہتے نہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا
جان پہچان کا ساتھی ہے نہ احسان کا دوست / یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست
نہیں جائز ترے مذہب میں کسی کی امداد / تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبت وہ برہم ہوا دیتا ہے　　دوستی خاک میں بربادی کی ملا دیتا ہے

مجھ سے برتاؤ کیا سب سے نرالا تیرا　　مجھ سا مردود کوئی دنیا میں دیکھا نہ سنا

سٹ پٹا جاتی ہے جہاں نام خدا آجائے　　باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے

ایسی کرتوت پہ لائے عدل کا دعوے ہیں تجھے　　کہ بنا اس کی دنیا میں ہے قائم جس سے

ایک تو تیرے دل بگاڑوں کو ہیں تجھ سے ناچار　　ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا　　فیض میرا نہ تو آباد میں ہے عام مرا

حق کی الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں　　خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں

میری سرکار میں ہوتے ہیں سب عذر قبول　　میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول

لطف ہے عام سدا اہل خطا پر میرا　　ہاتھ اٹھتا نہیں خوبی کی سزا پر میرا

غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں　　ہنستے جاتے ہیں جو یاں روتے ہوئے آتے ہیں

بحر کی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں　　بخشش و جود تمام مری سرکار کے ہیں

موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم　　یاس ہو جاتی ہے اس درجہ امید سے گم

مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے　　اور ایوب کے بستر سے تو سنبھالا میں نے

میں ہر ایک درد میں بن جاتا ہوں شفا کی تاثیر　　میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جا کر　　میں ہی لیتا ہوں برے حال میں نادار کی خبر

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی　　تیرے ہی دم سے ہے عالم میں نمود بشری

ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پتلا　　میں نہ ہوتا تو بھلا اس کا ٹھکانا کیا تھا

بیڑا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا　　میں وہاں ساحل دریا پہ کھڑا روتا تھا

تجھ سے ہوتے اگر ایسے نہ دل جھائیں و پچار　　لٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سنا رحمت نے یہ ولولہ انگیز خطاب ۔ کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اسکا جواب

آپ کی نیکیوں سے کس کو ہے انکار یہاں ۔ کیونکہ ہے ذکر جمیل آپ کا مشہور جہاں

مگر اے رحمت یہ الٹنے کی بات نہیں ۔ نیکیاں آپ کو کر دیں نہ یہ بدنام کہیں

ہم نے مانا کہ مروت بھی بڑی ہی اک چیز ۔ پر مروت کیلئے شرط ہے اے دوست تمیز

کھو دیا جس نے مروت کو یہاں عام کیا ۔ اُس کو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

یوں سمجھئے نہیں آفت کہ یہ پرکالے ہیں ۔ اس مروت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستو تمہیں ہے اشارہ کہ کسی سے نہ ڈرو ۔ دشمنوں سے یہ ملا ہے کہ جو چاہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری ۔ سے پھرتی ہے اچکوں کو حمایت تیری

جتنے قزاق ہیں یہاں انکا مددگار ہے تو ۔ اور سب ڈاکوؤں کا قافلہ سالار ہے تو

ہوا جس ملک پہ سرکار کا جاری فرماں ۔ اُس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویراں

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید ۔ اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

نہ سنے اُستاد کی گھڑکی کو نہیں مانتے کچھ ۔ بدمعاش اہل پولس کو نہیں گردانتے کچھ

اہلکار انکا جو کچہری میں دیکھو بہوار ۔ سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اک بازار

پیٹ پکڑے ہوئے وہاں پھرتے ہیں حاجت والے ۔ اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروت سے انہیں خوف مآل ۔ "بول کیا لائے ہو؟" اظہار کا پہلا ہی سوال

ہر طرف بیچ میں دلال ہیں کچھ چھوٹ رہے ۔ دونوں ہاتھوں سے غرضمندوں کو ہیں لوٹ رہے

ہیں تو اے رحمت ترے ذاتی جو ہنر ہیں بہت ۔ یہ تو سچ ہی مگر آپ میں قصور ہیں بہت

ایک مجرم کو جو تو قید سے چھڑواتا ہے ۔ بیسیوں قافلوں کو جان سے لٹواتا ہے

باپ کو ہو نہ تمہیں دینا جو بیٹے سے خفا ۔ بے ادب رکھنا اسے چاہتا ہے تو گویا

مار پر اُٹھنے نہیں دیتا جو اُستاد کا ہاتھ — یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگردوں کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری زہر ہلاہل ہے بھرا — تیرا آغاز تو اچھا ہے پر انجام بُرا

کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم — اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اے رحم

بے مروّت ہوں اگر میں تو یہ جوہر ہے مرا — جس کو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا

راستبازی جو سنی ہو وہ طبیعت ہے مری — اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری

معتدل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے — بھاگ اُس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے

میں ہی تھا جس نے کہ ویرانوں کو آباد کیا — میں ہی تھا جس نے کہ اخباروں کو آزاد کیا

حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری — رائے سے میری ہیں سلطنتیں جمہوری

کھو دیا میں نے نشاں سلطنتِ شخصی کا — اور دُنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا

مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے — راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے

حکم و قانون کسی گھر میں مقید نہ رہا — سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا

جس طرح ظلم کا اے رحم روادار نہیں — میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں

سر ذرا جس نے اُٹھایا اُسے کھو کر چھوڑا — پاپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا

حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہے عام — جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام

رائے کرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا — تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانہ پہ سدا

میں دکھا دیتا سیاست کی اگر اپنی تلوار — چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار

کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم — دم نہیں مارتی واں تیری مروت اے رحم

وہاں تعصب کا پتہ اور نہ عداوت کا گزر — نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر

حکم جاری ہے جدھر دیکھئے آزادی کا — بڑھ کے چلتا نہیں واں شاہ سے لے تا بہ گدا

کجروی مکر سے کہتی ہے یہاں آئی تو چل
ٹیڑھے ترچھے جو تھے بل اک آن میں جاتے ہیں نکل

پاک باتوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا
جو کہ ناشستہ ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا

سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا
نہ ہوا آج تو کل ہوگا مشتہر و رسوا

ہیں خطاکار کے دشمن در و دیوار یہاں
بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں

اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن
غم نہیں اس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن

نہ رعیت کا خوشا اُسے نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ اُسے چور کا خطرہ نہ اُسے ساہ کا ڈر

نہ عدالت میں ڈر اُسے کسی فریادی کا
اور نہ کچھ وغدغہ اخباروں کی آزادی کا

جو ہنرمند ہیں دل اُنکے بڑھاتا ہوں میں
خوبیاں اُنکی زمانہ میں جتاتا ہوں میں

بے ہنر ہو کسی پیرایہ میں یاں جلوہ نما
عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا

یاں نہ اُستاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار
اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم
مستفیدوں کی طرح کرتے ہیں اُسکو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا
بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

کرنے پاتے نہیں گاہک پہ دکاں دار ستم
جنس یاں تل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم

بیل بے وجہ نہیں آر کسی کی کھاتا
سدھے گھوڑے پہ چابک نہیں اُٹھنے پاتا

اور بچے اوچھوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری
اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری

محنتی جتنے ہیں یہاں خرم و دلشاد ہیں سب
خوار پھرتے ہیں [illegible] وہ کہ ہیں آرام طلب

اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے
زورمند آنکھ ملا [illegible] نہیں کمزوروں سے

خوب کو خوب سمجھتے ہیں یہاں زشت کو زشت
ناپسند [illegible]

چھوٹے بچوں کا نہیں [illegible] بگڑنے پاتے
[illegible]

جس طرف جائیے واں امن و اماں کا ہے عمل — فتنہ سرحد سے مری جاتا ہے کترا کے نکل
جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرماں — ظلم کے ہاتھ میں واں حکم و عمل کی ہے عناں
دوست اللہ کے ہیں ٹھہرتے معتوب[1] وہاں — اور مسیحائے زماں ہوتے ہیں مصلوب وہاں
نیک فرزند ہیں ماں باپ کے جو حلقہ بگوش — رام لچھمن کی طرح پھرتے ہیں واں خانہ بدوش
مان رکھا ہے جنھیں قوم نے اولادِ رسول — قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں پیاسے مقتول
زکریا کی طرح جو ہیں خدا کے پیارے — اُن کے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آرے
زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں — اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

گفتگو ختم یہ انصاف کی جب آ پہنچی — عقل پرکار قضا کار وہاں جا پہنچی
واں جو دیکھا کہ ہے دو بھائیوں میں کچھ تکرار — اور ہر ایک کو بزرگی پہ ہے اپنی اصرار
رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز — اور ادھر رحم کو عدل سمجھتا ہے ناچیز
عقل نے دونوں کی تقریر سنی سرتاپا — کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُن کو دیا
خیر اک کان ہے تم جیسے ہو گوہر دونوں — ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونوں
صاف کہتی ہوں سُن اے رحم نہیں اس میں خلاف — تو ہے اک قالب بے روح نہ ہو گر انصاف
اور سُن اے عدل نہیں اس میں تکلف سرمو — گر نہ ہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو
دونوں تم خلق کے ہو مایۂ آرام و شکیب — گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب
سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو — اور نہیں مانتے بات مری تم جانو

---

[1] صحیح لفظ مُعاتَب ہے۔ مگر اردو میں بجائے مُعاتَب کے معتوب بولا جاتا ہے۔ جیسے بجائے معفو کے معاف لیکن اردو میں یہی صحیح اور فصیح ہے ۱۲-

ابھی اک نکتہ میں تم دونوں کو جھٹلاتی ہوں | لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں
فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو | جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو
وہی اک شے ہے کہ ہے عدل کہیں نام اُس کا | کہیں مظلوم کی فریادرسی کام اُس کا
رحم کہلاتے جو مظلوم کی فریاد سُنے | عدل ٹھہرے جو سزا ظالم بے رحم کو دے
وہی شفقت ہے کہ اُستاد کی ہے مار کبھی | اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی
وہی شفقت ہے کہ ہے گھور کہیں پیار کہیں | وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں
کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے | اور کہیں قہر کے پردے میں نہاں ہوتی ہے
کہیں وہ قند مکرر کا مزا دیتی ہے | اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے
یہی شفقت تھی کہ جب اُس نے سمجھا یا انجام | تیغ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام
یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا بیجان پسر | ایک برچھی سی لگی باپ کے دل میں آکر
یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے | یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے
رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی | اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اسکی
رہی باقی نہ فریقین کو جائے انکار | چار ناچار کیا ایک جہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسے کہ گویا تھے ایک
مل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

(مرتبہ سنہ ۱۸۸۶ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاد ایام کہ بے رنگ تھی تصویر جمال   دست مشاطہ نہ تھا محرم زلف دوراں
گل خودرو سے بسا تھا چمن کون و مکاں   چار سو حسن خداداد کا سکہ تھا رواں
وضع عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک
خط قسمت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفل معصوم کی مانند تھا یہ عالم پیر   تھے ہم ایک صنعت بیچون و چرا کی تصویر
ملک ظلمت میں نہ تھی سلطنت نفس شریر   طبع نے مملکت روح نہ کی تھی تسخیر
خواب غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم   نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم   نہ دغیرے اعدا نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آئے تھے استاد ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا ہمارا رہبر

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار — تھے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہم اک رہ گزار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرف بلوریں درکار — انھیں ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا انحصار

شرم آتی تھی نہ ہل جوت کے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تن کے محنت سے جو ہم جو بھی کھاتے تھے طعام — دیتے تھے لقمۂ بریاں کا مزا گندم خام
دست و بازو کی بدولت تھا ہمیں عیش و آرام — خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبروئے نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا ساماں — نان جو کھاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مہماں
تھا بناوٹ کا پتہ اور نہ تکلف کا نشاں — ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں

طبلِ ظاہر کی نمائش کے نہ بجتے تھے وہاں
جو برستے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطفِ ہوا — آزمودوں سے کیا انجام کو طوفاں برپا
چشمۂ نیر یک تھا صحت سے تو تھا عین صفا — جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا

گھٹتے گھٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تہمت کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں لاکھ رُتیں تازہ بدلنے والے — نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچے میں ڈھلنے والے — روز اک سوانگ نیا بھیس کے نکلنے والے
آج بچا دی ہے کل تھی جو پہچان تری — ایک سی ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

نوکری ٹھہری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی   پیشہ سمجھتے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی   جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دام   دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں ہل جوتتے میں راحت و آرام کا نام   بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اسکی ادا   ایک آقا ہو تو حکم اسکا کوئی لائے بجا
زید کی رائے جدا عمرو کی تجویز جدا   ایک بندہ کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیم گناہ   کہیں غماز کا دھڑکا کہیں خوف بدخواہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ ہو جن سے سیاہ   خدمت اک بار گراں ہے کہ عیاذاً باللہ

پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گرے دریا میں تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر   بے سبب ان پہ گذرتی ہیں جفائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر   سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر
غیرت آتی جنہیں وہ سر اٹھانے نہیں پاتے   جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلانے نہیں پاتے

کہیے فرق کہ ہے زید بڑا منصب دار — اور عمرو اس کا ہے اک بندۂ فرمانبردار
فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار — کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونوں
قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونوں

عمرو کرتا ہے اگر اس کا ادب اور تعظیم — کرنی پڑتی ہے اسے بھی کہیں جھک کر تسلیم
زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دلِ عمرو دونیم — جاکے سنتا ہے کہیں زید بھی الفاظِ سقیم

پاجی احمق کے کہنے کا اگر ہے دستور
ذم قول اس کو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرت انسان جو بڑائی میں قدم — گاؤ خراں سے ہیں کیا جانیے کس بات میں کم
مالکوں کے نہیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم — ذلتیں ان کیلئے نوکری میں ہیں مہیا ہر دم

ننگ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکری کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کیفیت سنئے پیشہ کا ہے گر انکو ملال — مدتیں گذریں کہ لوٹا گیا یہاں عیش دل
نوکری سنتے ہیں جب کہ بنا ہم اقبال — چھوڑ کر شہر و وطن کو نہیں جو جائے مجال

گھر چھٹا باپ چھٹے خویش و بیگانہ چھوٹا
ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

ان کی گردن میں اگر قید کی رسی ہے پڑی — اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی
آنسوؤں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی — نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی
مرغِ بے پر کی طرح قیدی بیداد ہیں ہم — کہیے پھر کونسی حجت ہے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے نہیں فرط مشقت سے اگر وہ رنجور — مالک ان کی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
دیکھ لیتے نہیں جبتک کہ ہوئے روگ سے دور — رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے ان کو معذور

جانتے ہیں یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انہیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بن جائے مشقت سے یہاں — نہیں امید کہ گذرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کہ ہے مزدور کا دنیا میں کال — نہ ہوا ایک تو رکتی نہیں تعمیر مکاں

پھرتے ہیں پیٹ کی یہاں پیتے ہوائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں ماتحت ہو یا ہو افسر — ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
یہی گھر بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام و سحر — فی المثل ایک کرایہ کی دکاں ہے نوکر

رہے جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
لگی جب بیٹھنے لی جا کے کہیں اور بدل

نوکروں سے ہیں یہاں کم کہیں رتبہ میں سوا — گر نہیں خدمت ہم جنس کا ان پہ وطیرا
ٹٹو ہے بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو یا ہمیں گدھا — ایک کو ایک کا تابع نہیں دیکھا نہ سنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

ہاں یہ بڑھکر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں — کہ ہو ہم جنس کی ہم جنس کے قبضہ میں عناں
ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شبان — نسل آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انسان
ناتواں ٹھیرے کوئی، کوئی تنومند بنے — ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی گھر میں آ ہو بھی ہو صیاد بھی ہو ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو
ایک ہی سبزہ کہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خون ریم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرمانبردار اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے ان کو سروکار جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی ان کا دو بار
گر تونگر ہیں تو وہ بس ہیں ان کے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں اُن کا بلانے والا جبر سے کوئی نہیں ان کا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانے والا سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا
اُٹھ کے چل دیں تو نہیں روکنے والا کوئی
اُلٹے پھر جائیں۔ جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر اور کھل جائیں کمالات بھی اُن کے سب پر
جوہری جو ہیں وہ سب ان کے پرکھ لیں جوہر کامیابی نہیں ان کے لئے اس سے بڑھکر
کہ سدا قید رہیں مرغ خوش الحاں کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسف کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب انہیں ہر علم و ہنر میں یکتا شرف ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا
زور بازو میں بلندی نظر میں یکتا الغرض جملہ کمالات بشر میں یکتا
اور پھر اس پہ مدد طالع بیدار کی ہو تب نصیب ان کو غلامی کسی سرکار کی ہو

درندوں رات پھریں ڈھونڈ کریں کھانے کو در در ‏ ‏ سدا چڑیاں پڑی پھرتی ہیں کھانے کو در در
چاپلوسی سے دل ایک اک کا لبھاتے در در ‏ ‏ ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در
تا کہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائق خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی ‏ ‏ کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عمر ان کی
نکلے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی ‏ ‏ تو قبلے ہوتے ہیں مغرب سے اسی دم راہی
بر حال آگے پہ گرد رہا کرتے ہیں بے نیل مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اس کے غلام

گلہ کرتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا ‏ ‏ کبھی ٹھہراتے ہیں گردش کو زمانہ کی برا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا ‏ ‏ کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت خدا
وعدۂ رزق ہیں سنتے تھے کہ ہوتی ہیں پر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہمیں وعدہ ‏ ‏ اس کا حیلہ نہیں یہاں کو غلامی کے سوا
اور در وا تھے ہوئے بند سب اُن پہ گویا ‏ ‏ اب تو اک پیر انہیں ملجا نہ زمیں ماوی
کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

جن کے اسلاف نے تھا قوم کے دیکھا اقبال ‏ ‏ یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال
پاتے ہیں ان کو عنایات سے شاہوں کی نہال ‏ ‏ مال و دولت سے انہیں دیکھتے ہیں مالا مال
باپ کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر ‏ ‏ کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کبیر

اب حسب اور نسب پہ نہیں نازش کا محل — گردش دہر نے دی صورت حال بدل
خاندانوں کی نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل — کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل

گر گئے جو تھے پندار کے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں — چاہیئے سعی و مشقت سے نہ عار کریں
ہو طبیعت جنہیں وہ خدمت سرکار کریں — ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں

آبرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں — کاشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاست سیکھیں — الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخر بنی اسرائیل — ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود رب جلیل
جس نے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل — جسکے خود دست و عصا میں تھی رسالت کی دلیل

گلہ بانی کے لئے پایا جو ہمسائے شعیب
بکریاں اس نے چرانے میں سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے رہے — اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے رہے
خدمت جنس سے نفرت کبھی کیا کرتے رہے — حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے
اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا — کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر ۔۔۔ ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر

نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر ۔۔۔ جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے

پر زمانے کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہو گئے حالیؔ سے دنیا میں کئی راہبر ۔۔۔ خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں رہنما

تب تک جھکنے ہوئی پشت آپکی خدمت میں نہ دیا ۔۔۔ اس پہ سب خیر ہے آزادہ روی کا دعویٰ

بات کہنی وہی زیبا ہے کہ جس میں اثر

ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شاندار — اور چھوڑا اس نے اک ایوان عالی یادگار
ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے — ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بیشمار
اک محب قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے — قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
ہو گئی عالم میں کہو سرسبز یہ پھیلی مراد — یا وہ اگلوں کی امیدیں لائینگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرچیوان ہے جو بہا رہیگا یاں وہی
سب اتر جائینگی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے — ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل — دردمندی جوش میں چند اہل دل کو لائی ہے
پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اسکی مثال — سلطنت نے قوم کی جو یہاں ہمت افزائی ہے
غیر قوموں نے بھی کی ہے شرط ہمدردی ادا — یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیز و قوم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر نزول خیر و برکت ہے جہاں — جسکی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشان
یہ نہال تازہ جس کو اک زمین شور میں — خرم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغبان
یہ مسیحائی علاج اس درد بے درماں کا ہے — لا دوا ٹھہرا چکے جس کو اطبائے زمان
اور نمونہ اس عزیز مصر کا جس نے ستم — جن کے ہاتھوں سے سہے دی قحط سے انکو اماں

عہد و پیمان اے عزیزو تم سے کچھ کرنے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آ رہی ہے آسمان سے گوشۂ گوش سے صدا — قوم اگر سمجھے تو دنیا میں قوموں کا حیات دا

ہے کوئی اکسیر دنیا میں تو ہوں اکسیر میں ۔۔۔ اور اصل کیمیا کچھ ہے۔ تو میں ہوں کیمیا

ہات آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ ۔۔۔ چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آب بقا

میرے جو حامی ہیں انکی یوں پھیلینگی کوشش ۔۔۔ ایک دانے سے ہوں خوشے جس طرح بے بہا

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں ان پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

ان سے کہدو قوم میں ہیں جو کہ عالی خاندان ۔۔۔ یا جنہیں جاگیر و منصب پر ہے ناز بیکران

کیا لئے بیٹھے ہو فخر منصب و جاگیر کو ۔۔۔ منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہمان

تم نہیں رہتے میں جنکو تعلق دیکھو رہے ۔۔۔ تنگ ہے آج ان کی نسلوں پر زمین و آسمان

چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر ۔۔۔ ورنہ وار اپنا کریگی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے اس ہات دو اُس ہات لو

میں تمہیں پستی سے پہنچا دونگا تا اوج کمال ۔۔۔ میں تمہیں دیکھونگا جب گرتا ہوا لونگا سنبھال

میں بنا دونگا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے ۔۔۔ میں چھڑا دونگا زمانہ کی تمہیں سب چال ڈھال

جو کریں گے آج میری دوستو یا زر سے مدد ۔۔۔ میں سدا کرتا رہونگا انکی نسلوں کو نہال

قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں ۔۔۔ چاہو دار الکفر سمجھو مجھکو یا دار الضلال

میں دکھا دونگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھا دونگا تمہیں ۔۔۔ سلطنت کا معتمد بننا بتاؤں گا تمہیں

قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کس قدر ۔۔۔ بڑھ سکوگے جسقدر اتنا بڑھاؤں گا تمہیں

تب یہ سمجھو گے کہ ہم سوتے تھے کر کے بے خبر — وقت جب خواب غفلت سے جگائیگا ہمیں

یاد ہوگا تم کو وہ کعبہ ہوا اپنا خطاب — پھر مخاطب خیر امت کا بناوے گا ہمیں

تجھ کو بھولیں گر تو دعوے آپ ہو جیسے اتہام

روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ اے ریاض علم اے عین الحیات — ہے ہمارے بخت و دولت کی نشانی تیری ذات

ہو تو ہو اب دشمنی تیری دلیل کارواں — چار سو کالی گھٹا چھائی ہو اور کالی ہو رات

قوم سے تو بھی یونہی جہل و تعصب مٹا — جس طرح دین خلیل سے مٹے لات و منات

چھوڑ جائیں گے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشان — چھوڑ جائینگے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک با ہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے

ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہات ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی امید گاہ — اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیر خواہ

دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے — قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ

اپنے حامی آپ پیدا کر کے کیوں سر لیف — اپنی اپچ سے ہے آپ اپنے لئے اک پشت پناہ

خیر کی امید رکھنی ہے عبث اس قوم سے — آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون

کرو دعا اب اہد قومی انہم لا یعلمون

تعصّب و انصاف

(مرتبہ ۱۸۸۳ء)

یاد ہے ہم کو وہ عالم اپنا	جب کہ ہم آپ تھے اپنے پہ فدا
اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی	اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی
اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے	اپنی یکتائی کا دم بھرتے تھے
اپنے انداز کے سودائی تھے	اپنے جلوے کے تماشائی تھے
کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ	سر دھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ
آپ خوبی پہ تھے اپنے مفتوں	خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود مجنوں
جس جزیرہ میں ہوئے تھے پیدا	اپنی لے دے کے وہی تھی دنیا
روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی	آگہی طوس نہ بسطام کی تھی
تھے تماشائی دشت پُرخار	کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار
پی کے شور آب ہی ہوتے تھے بحال	کہ نہ چکھا تھا کبھی آبِ زلال
نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا	نہ سنی تھی کبھی بلبل کی صدا
سیر و انگوزہ کی بو پر تھے نثار	کہ نہ برتا تھا کبھی مشک تتار

پر بناں جانتے تھے کمبل کو — کہ نہ بنتا تھا کبھی مخمل کو
اور یہی تھی نہ سُنی بات کبھی — بدلے دیکھے نہ دن رات کبھی

ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں — واں سماں ایک تھا ہر موسم میں
رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی — موسم آکر نہ نکلتا تھا کبھی

ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار — واں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار
ایک سے رہتے تھے دن رات سدا — آسماں کو تھی نہ گردش اصلا

تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں — عقل تھی خرد و کلاں کی یکساں
رکھتے تھے ایک سبق ازبر یاد — مبتدی منتہی شاگرد، استاد

واں نہ تھی حدِ بلوغ صبیاں — پیر بالغ تھے، نہ بالغ تھے جواں
نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا — تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا

تھے خدا کے وہی ننانوے نام — اور لینا تھا وہاں نام حرام
اہل دولت کی نہ تھی عام عطا — ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا

تھا نہ دینداروں کو غیروں سے لگاؤ — ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ
دعوے غیروں کے تھے سب بے صرفہ — فیصلے ہوتے تھے نت یک طرفہ

راستی کا نہ تھا غیروں پہ گماں — حق نہ واں پر تھا فریقین میں ہاں،
تھی عناصر میں نہ واں آگ نہ باد — خلق سے اک موٹی مٹی تھی مراد

حس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا — واں کا حیواں بھی حساس نہ تھا
تھی درختوں کو نہ واں نشو و نما — چلتے پاتی تھی نہ گلشن میں ہوا
گل شگفتہ تھے نہ پودے شاداب — واں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب

وہی مرغوب تھی وہاں پوشش تن — جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن
تھے پسندیدہ اسی شان کے گھر — کی تھی حوا نے جہاں عمر بسر
اسی انداز کے چلتے تھے جہاز — کشتیِ نوح کا جو تھا انداز
تھی اسی نسخہ پہ موقوف شفا — جو تھا بقراط نے ترتیب دیا
ٹوٹ سکتی نہ تھی واں رائے قدیم — تھا امٹ لکھ گئے جو اگلے حکیم
وہاں کسی طرح نہ ممکن تھا خلا — وہاں تہ پانی تھا مرکب نہ ہوا
گھوڑے دوڑائے تھے اگلوں نے جہاں — وہی جولانگہ مردم تھی وہاں
کی تھی جس جا قدما نے منزل — بڑھنے پاتے تھے نہ وہاں سے محمل
علم و فن تھے تہِ سمائے مردود — غیب کے وہاں تھے خزانے محدود
نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور — نعمتیں حق کی وہاں تھیں محصور
سب کی گدی پہ لگی تھیں آنکھیں — کچھ نہ آگے نظر آتا تھا انہیں
پیچھے گرد اٹھتے تھے ریگستان — سوجھتا انہیں وہ آبِ رواں
آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب — وہ سراسر نظر آتا تھا سراب
روشنی رکھتی تھی ان سے ان بن — جیسے خفاش سے سورج کی کرن
تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر — دل پہ ہر نقش تھا پتھر کی لکیر
رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں — برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں
آگ وہاں بجھ کے سلگتی کم تھی — اور سلگتی تھی تو لگتی کم تھی
شان میں وہاں نہ سنا تھا حق کی — کل یوم ھو فی شان کبھی
وضع میں تھا نہ تغیر نو میں — جائے دل سنگ تھا ہر پہلو میں

سمجھا جاتا تھا وہ دل بے فرمان — مہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں
بات مشکل تھی دلوں سے جانی — نقش تھے دل کے خطِ پیشانی
غیر کی بات خطا اپنی صواب — سب سوالوں کا تھا واں ایک جواب
چڑھ کے گر بحث کو جاتے تھے کہیں — فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقیں
تھی وہاں حق کی یہی بس تفتیش — مونھ سے جو اپنے نکل جائے سخن
اُسی عالم میں رہے تھے ہم بھی — اُسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ جہاں میں ہیں ہم پر — ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر
حق نے جو ہم پہ کیے ہیں احساں — ان سے محروم ہے نوعِ انساں
سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل — اب نہیں کوئی ترقی کا محل
اپنے حصہ میں ہے ساری تہذیب — خانہ پرور ہے ہماری تہذیب
جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال — خردہ گیری کی نہیں اُس میں مجال
ہے بری عیب سے خوراک اپنی — پاک دھبے سے ہے پوشاک اپنی
رسم اپنی نہیں بے جا کوئی — طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی
آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق — ہم سے سیکھے کوئی حسنِ اخلاق
سب سے عالی ہیں خیالات اپنے — سب مسلّم ہیں کمالات اپنے
ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر — واں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر
تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال — تھا تصور بھی خلاف ان کے محال
جس کو اک بار بُرا جان لیا — عمر بھر پھر اسے اچھا نہ کہا

ٹوٹتی بنتی کبھی اپنی دلیل / وہی دعوے تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی / ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی / رائے ایسی تھی اپنی ایسی پکی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے / اور الجھ جاتے تھے سلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا / جھوٹ تھا جھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان / جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذات باری کو نہیں جیسے زوال / رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ ہٹ جائے تو یہ تھا ممکن / ہم نہ ہٹتے تھے جگہ سے لیکن

حسن ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی / غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی

تھے لڑکپن کے خیالات تمام / دل میں اترے ہوئے مثل الہام

دیکھتے سنتے تھے جو اس کے خلاف / نظر آتا تھا وہ سب لاف و گزاف

تھی نئی بات سے یہاں تک نفرت / ہوتی تھی سننے سے پہلے وحشت

بو نئی شے کی جو پا لیتے تھے / ناک بھوں دیکھ کے چڑھا لیتے تھے

عقل کی تھیں نہ دلیلیں مقبول / تھی وہ سرکار میں اپنی معزول

فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی / ہوش ہم نے نہ سنبھالا تھا کبھی

جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا / کوئی حرف اس میں جز الہام نہ تھا

جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی / تھا وہی فلسفہ اور علم وہی

تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس / اور سب قطعی بیجا وسواس

تھی زباں اپنی زبان پاکاں / ماسوا اہل جہنم کی زبان

جلوۂ دہر کا باقی تھا نہ ہوش | تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش
کان میں پڑتی تھی جب بات نئی | غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی
خرقِ عادت بھی اگر دیکھتے تھے | آنکھ اٹھا کر نہ ادھر دیکھتے تھے
نئی آواز سے چونک اٹھتے تھے | اوپری شکل پہ بھونک اٹھتے تھے
ساری دنیا سے نرالا تھا مذاق | ہم کو تھا زہر بھی اپنا تریاق
اپنی حجت کو قوی جانتے تھے | بات ہر پھر کے وہی مانتے تھے
تھا نہ قصدِ حق و باطل مطلق | جو پڑھا تھا وہی ازبر تھا سبق
خصم سے بحث اگر کرتے تھے | حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے
کاٹ دی خصم نے جو بات کہی | بحث و تکرار کی غایت تھی یہی
خصم کی بات کو کرنا تسلیم | اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم
حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا | نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا
دشمنی کے یہی معنی تھے کہ جو | ہم کہیں بات وہ تسلیم نہ ہو
ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور | دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور
گر خلاف اپنے کوئی بول اٹھا | اس سے بڑھکر کوئی بدخواہ نہ تھا
ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفریں | کوئی مردود تھا اور کوئی لعین
غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر | باغ فردوس تھی اپنی جاگیر
اور تھے حرص و ہوا کے بندے | ہم تھے مخصوص خدا کے بندے
بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر | وقف تھی رحمتِ باری ہم پر
نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ | اور مغفور تھے سب اپنے گناہ

عین تحقیق تھی اپنی تقلید — شرک اپنا تھا سراسر توحید
تھا بدی کا نہ گنہ کا کچھ ڈر — پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر
سب دعا گو تھے ہمارے ملکوت — تھے ہمیں آدم و حوا کے سپوت
حور کوثر پہ تھا قبضہ اپنا — سلسبیل اپنی تھی طوبیٰ اپنا
اپنی ظلمت بھی سراسر تنویر — اپنے اندھوں کو بھی کہتے تھے بصیر
مستحق جنت میں نہ تھے ہم سا بھی — غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی
تھے قضا اور قدر کے مالک — ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

عصبیت میں رہے جب تک چور — کھنچے یوں ہی رہے آپ کو دور
نظر آیا نہ کچھ پست و بلند — تھے ہم اک کلبۂ تاریک میں بند
دی جب انصاف نے دستک آ کر — حجرۂ تنگ سے نکلے باہر
جلوۂ علم و یقیں کو دیکھا — آسماں اور زمیں کو دیکھا
رخ حقیقت نے دکھایا ہر سو — چاند تا سا نظر آیا ہر سو
کی تعصب سے جو ہیں قطع نظر — ہوا اک اور ہی عالم میں گزر
علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب — دھوکا پانی کا نہ دیتا تھا سراب
جھوٹ سے سچ نظر آتا تھا الگ — دودھ پانی نظر آتا تھا الگ
نکتہ چیں یار تھے واں یاروں کے — قدرداں غیر تھے اغیاروں کے
دور بیگانہ نہ تھا خویش سے واں — خویش اول تھا درویش سے واں
عیب کہتے تھے اپنے خوش خوش — دوغ واں اپنی بھی ہوتی تھی ترش

جس کو سمجھے تھے غلط ہم دریا | اک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا
تھا کیا جس کو یقیں چشمۂ آب | وہ نمائش تھی حقیقت میں سراب
قصر و ایوان کا گماں تھا جن پہ | نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر
تھا سبک دانۂ خردل سے سوا | کوہ الوند جسے سمجھا تھا
جب سر ایک قوم کا ساماں دیکھا | ہم نے وہاں آپ کو عریاں دیکھا
نکلے سب ہیچ خیالات اپنے | ٹھہرے سب پوچ کمالات اپنے
آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا | نکلا جب تک کسی گھاٹی سے نہ تھا
چوٹیاں آئیں جو پربت کی نظر | پھر اٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر
بھنگا جب تک رہا گولر میں نہاں | تھا وہی اس کے تصور میں جہاں
پر وہ گولر سے جو باہر آیا | اپنی ہستی سے بہت شرمایا
پردہ جب تک رہا آنکھوں پہ پڑا | حسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا
منہ جب آئینہ میں دیکھا جاکر | ہم کو اک شکل مہیب آئی نظر
ہوا حیرت سے دگرگوں احوال | ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال
دیکھا جب آپکو بالکل معیوب | چھپ گئے غیروں کے آنکھوں سے عیوب
یک قلم ہو گئی نخوت کافور | بن گیا رشک ہمارا وہ غرور
ناخن فکر نے کی دل میں خراش | عیب جویوں کی لگے کرنے تلاش
جن کے طعنوں کی تھی ہم پہ بوچھار | ان کے ہم دل سے ہوئے شکر گزار
ہم نے جانا کہ یہی ہیں دلسوز | چل رہے تیر ہیں جن کے دلدوز
انکا غصہ ہے سراسر رحمت | زہر میں ان کے بھرا ہے امرت

انہیں بندوں کے ہیں ایمان سچے　　یہی کافر ہیں مسلمان سچے
قائم انصاف کا جب ہوگا نشان　　مانے جائینگے انہیں کے احسان
بے خبر کب کے پڑے سوتے تھے　　ان کی آواز سے ہم چونک اٹھے
ان کے طعنوں نے جگایا ہم کو　　زہر نے ان کے جلایا ہم کو
یار و اغیار کے عیب اور ہنر　　آشکارا ہوئے ایک اک ہم پر
حق کے جلوے نظر آئے ہر جا　　اہل باطل میں بھی اک پائی ادا
ملا ہر راہ میں باطل کا سراغ　　اہل حق کو بھی نہ پایا بے داغ
اہل تقوی کی ریائیں دیکھیں　　اہل حکمت کی خطائیں دیکھیں
زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں　　خوبیاں پائیں گنہگاروں میں
گلُ کی پاک سرشتی دیکھی　　پائے طاؤس کی زشتی دیکھی
عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے　　خار دیکھے تو ثمر بھی دیکھے
ہنر اغیار میں پائے اکثر　　عیب اپنے نظر آئے اکثر
دفتر علم کو ابتر پایا　　علم کو جہل سے بدتر پایا
مجلسیں غیبت و بہتان سے پُر　　صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر
منقطع بھائی کی بھائی سے امید　　اپنا بیگانہ ۔ لہو سب کے سپید
پاک بندوں کی زباں پر دشنام　　نہ ثقات اس سے بری اور نہ کرام
فقرا مکر و ریا کے پُتلے　　اغنیا حرص و ہوا کے پُتلے
شیخ عیار تو زاہد پُر فن　　مولوی عقل کے سارے دشمن
پیاز کی طرح سے پوست ہی پوست　　قوم کے دوست اگر نادان دوست

حالت القصہ جو دیکھی اپنی　　کوئی کل پائی نہ سیدھی اپنی
سارے رستے کو ٹٹولا جا کر　　کوئی بہتر نہ سدھ دل آیا نظر
پایا اک دین کا محکم قانون　　وہ بھی یاروں کی بدولت مطعون
دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالت زار　　جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار
گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل　　آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گر ہے جو کسی کو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو — اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو
شے کوئی تجھ سے کڑوی نہ ہوگی — حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی
ہے ناگواری پہچان تیری — الحق مُرٌّ ہے شان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے — چلوائی گھر گھر تلوار تو نے
رشتے ہزاروں تو نے تڑائے — باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
سقراط کو زہر تو نے دلایا — شبیر کو قتل تو نے کرایا
بے جرم مسموم تو نے کرائے — سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے
رخنے عرب میں تو نے نکالے — بدر و اُحد میں رن تو نے ڈالے
موسیٰ کو مدین تو نے بھگایا — احمدؐ سے مکہ تو نے چھڑایا
تو نے جلے ہیں بچتے ہیں اکثر — سولی کے اور سنگ کا نشانے نسر
مظلوم کتنے تیرے ستائے — ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے
خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے — رنگیں لہو میں ہیں ہاتھ تیرے
تیری جلو میں رسوائیاں ہیں — سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں

تدبیر سے تو ناکامیوں کی — تقریب ہے تو بدنامیوں کی
تو آشتی کی رہتی ہے دشمن — تو مصلحت سے رکھتی ہے ان بن
قطع و برید ہے تاثیر تیری — رہتی ہے ننگی شمشیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر — وقت بہت سے ہوتے ہیں ابتر
پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں — آتی ہے دنیا اک زلزلے میں
حق معبدوں میں ہوتا ہے داخل — ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل
اٹھتا ہے عملہ لات اور صفا کا — ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا
عبرانیوں کا اڑتا ہے پرچم — صف قبطیوں کی ہوتی ہے برہم
ہوتے ہیں اعیان جمہور کے ساتھی — بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اے راست گوئی ہے تیغ براں — تیرا مخالف کیوں ہو نہ نالاں
سب وحشت انگیز مضموں ہیں تیرے — نا مصلحت پر مبنی قول ہیں تیرے
گن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں — وہ تیری دھن میں آخر ہوئے ہیں
اٹھا جہاں سے سیلاب تیرا — پھر واں نہ کشتی ٹھہری نہ بیڑا
اٹھتی ہیں دل سے تیرے جو موجیں — ہوتی ہیں نازل واں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمت ان کو سہارے — کرتی ہے امید پنہاں اشارے
عزم ان کی مشکل کرتا ہے آساں — دل ان سے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں — ہے روز روشن ان کی نظر میں
زور ان پہ تیرے ہیں آشکارا — مٹھی میں ان کی عالم ہے سارا

عظمت جہاں ہے تیری سمائی   پر پہنچتی واں ہیں نظر و فکر رسائی
شاہوں سے گردن جھکتی نہیں جہاں   طوفاں پہ کشتی رکتی نہیں یہاں
اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں   منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں
کھنچے ہیں تیری طرف ہزاروں   ہزار دل ہیں کھنچتے تیری ادا سے
تو نے جہاں دی آواز جا کر   لاکھوں سر اٹھے تیری صدا پر
ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری   بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں   جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
بنتے ہیں دشمن انصار تیرے   ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
پطرس نے چھوڑے یار آشنا سب   پردن پہ دیکھی تیری ادا جب
ذوالامر پر جب تو نے سایہ   ارقم کے گھر میں آ سر جھکایا
آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم   ہیں گدگداتے دل ان کے ہر دم
جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری   ضربات پہ تیری پڑتی ہے پوری
جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر   گرتا ہے آخر کچھ دور جا کر
تجھ سے بھی بچتے ہیں وحشی بدکتے   پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے
گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں   پر چوٹ دل پہ کھائے ہوئے ہیں
بھاگے ہیں کھا کر زخمِ نہاں وہ   جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ
دل دوز ہیں سب تیری ادائیں   کڑوی ہیں تیری ساری دوائیں
زہر ہلاہل برسوں پئیں جب   بیمار تیرے پائیں شفا تب
دیتی ہے اول تو زخمِ کاری   مرہم کی آخر آتی ہے باری

کل ہے مسرت ہے آج غم تو — دیتی ہے امرت کبھی ہے سم تو
ہوتی ہے سچ سے جب سبکو نفرت — تو جھوٹ پر وہاں کرتی ہے لعنت
جس جا تعصب ہے عین ایمان — انصاف کا غل کرتی ہے تو وہاں
رسم سلف پر مرتے جہاں ہیں — رسموں پہ حملے تیرے وہاں ہیں
تقلید جس جا ہے طوق گردن — تقلیدیوں سے تیری ان بن
کرتی ہے وہاں تو واعظ کو رسوا — ہے وحی منزل قول اسکا جس جا
وہاں مفتیوں پر ہیں تیرے دھاوے — ہیں مثل قرآں جس جا فتاوے
بکتی ہیں قبریں جب اولیا کی — تو ہے دہائی دیتی خدا کی
جس ملک میں ہے تیری غلامی — ہوتی ہے تو وہاں بردوں کی حامی
غل بھیڑیوں کا پڑتا جہاں ہے — تو بکریوں کی وہاں پاسباں ہے
زہر اس عسل کو تو ہے بتاتی — جس میں حلاوت ہے سب کو آتی
اس نیش میں تو کہتی شفا ہے — نیش اجل کا جس میں مزا ہے
ہندی میں تیری تازی کی لے ہے — مشرق میں کہتی مغرب کی تو ہے
جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا — تو چھیڑتی ہے وہاں ذکر دریا
ہر سو جہاں ہے طغیان باراں — شور العطش کا کرتی ہے تو وہاں
سانپوں کا خطرہ پاتی جہاں ہے — اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے
طوفاں کی حالت پہلے سے پاکر — بیڑوں میں چرچا کرتی ہے جاکر
ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے — کہتی ہے جاکر تو کارواں سے
بلبل ہے گل پر جب چہچہاتی — اس دم خزاں سے تو ہے ڈراتی

پانی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو	آگ آگ کا غل کرتی ہے ہاں تو
جب بجھتی ہے تو ہیں کھڑی سی	ہے آگ میں تو تو دل کی پڑتی
کرتی ہے تو ہی سران کی خطا بخش	دیتی ہے ان کو تو بیہودہ رائیں
گر منعموں پہ تو ہے برستی	گہہ جھاڑتی ہے مفلسوں کی ہستی
دیتی ہے لقبے بے غیرتوں کو	کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو
بلکاتی ہے تو کتا سلوں کو	پھٹکارتی ہے تو سب بھلوں کو
جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل	ترشی ہے تیری طینت میں داخل
بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت	لاکھوں نے کی ہے تیری شکایت
یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے	عالم کو اپنا دشمن کیا ہے
احکام تیرے ملتے ہیں جس میں	تیرے تو ٹھٹے جتنے سبھی ہیں
پہنچایا جس نے پیغام تیرا	جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا
کتنوں نے جانا ساحر نبی کو	کتنوں نے مانا کافر علی کو
طوفان اٹھائے اہل ہدیٰ پر	بہتان باندھے زین العبا پر
نعمان کو دی بدعت سے نسبت	کی شافعی پر برپا قیامت
مالک پہ لائے آفت جفا جو	یہاں تک کہ اکھڑا مفصل سے بازو
کی ابن حنبل کی یہ مدارا	چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا
نکلے ائمہ اکثر وطن سے	خالی ہوا رے ابن حسن سے
کتنوں کی باندھیں ذلت سے مشکیں	کتنوں کی رسی ڈالی گلے میں
مرتد بتایا اہل یقیں کو	ٹھہرایا زندیق ارباب دیں کو

اے کلمۂ حق تیری بدولت — مردوں پہ گذری کیا کیا مصیبت
ٹھہرے جہاں میں بیگانے سب سے — تجھ پہ ہوئے وہ دیوانے جب سے
دنیا نے ان پہ گو ظلم توڑا — دامن انہوں نے تیرا نہ چھوڑا

ہے تلخ شیریں ہر بات تیری — سنتے ہیں کڑوی کہتے ہیں میٹھی
کانوں کو تو ہے گو ناگوارا — مونھ سے نکلنا تیرا ہے پیارا
جو حرف حق سے بھاگے بگڑ کر — حق ان کو لایا گردن پکڑ کر
حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں — نت حق کے دعوے غالب ہوئے ہیں
ہوتا نہ ہرگز جگ میں اجالا — حق کا نہ ہوتا گر بول بالا

اے امت گوئی اے ابر رحمت — ہے اس چمن میں سب تیری برکت
گر تو نہ ہوتی یہاں سایہ افگن — برباد ہوتا کب کا یہ گلشن

عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے — آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے
باغ جہاں کو چھانٹا ہے تو نے — اکثر خزاں کو ڈانٹا ہے تو نے
تو بیکسوں کی یاور رہی ہے — تو مگرہوں کی رہبر رہی ہے
جن بستیوں میں تو جا چھپائی — کھیتی وہیں کی یہاں لہلہائی
بند اپنی جس جا تو نے زباں کی — نکبت نے منزل آ کر وہاں کی

رہتا نہ ہوتا گر نور تیرا — یونان میں ہوتا ہر سو اندھیرا
گر مصر کی تو کھوتی نہ خامی — مصری نہ ہوتے عالم میں نامی
سریا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا — سایہ اگر واں تیرا نہ پڑتا
جنبش نہ ہوتی گر تیرے لب کو — شعلہ نہ کرتے خاک عرب کو

ہوتے رہے ہیں سب ہلاک ملت — سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
مشرق میں جب تھی تیری حکومت — چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت
جب دور تیرا مغرب میں آیا — مغرب کو تو نے مشرق بنایا
کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو — مہکی ہے اکثر یہاں تیری خوشبو
گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے — پر تیری دارو صحت فزا ہے
ہر بول تیرا جوش غضب میں — ہے حق کی آواز راہِ طلب میں
گو علم کی تو ہے زندگانی — پر جہل تیرا دشمن ہے جانی
جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں — ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر — اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر

ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں
قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں

اے کلمۂ حق اے سرِ یزداں — ق جس وقت ہو تو پردہ سے عریاں
ہوں تیرے جب دم انصار تھوڑے — ۲ دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے

عالم ہو تیرا جب نا شناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

مناظرۂ واعظ و شاعر

(مرقومہ ۱۸۸۳ء)

کل جو میں نے بستر راحت پہ جا کر دم لیا
دل کو اک وقفہ غم دنیا سے فرصت کا ملا

کی تصور نے وہیں اک بزم رنگیں آشکار
مجلس احباب یعنی جس کو کہنا ہے بجا

گرم تھا واں ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر
سرخرو گلگونۂ حجت سے تھا ہر مدعا

شمع استدلال میں روشن تھا فانوس بیاں
چار سو ہنگامہ آرا تھی لم و لا کی صدا

تھے فراہم جس قدر اس بزم میں اہل کمال
تھا شرف کا اپنے اپنے فن کو سب کا ادعا

مولوی کہتے تھے غیر از علم دیں سب ہیچ ہے
فلسفی کہتے تھے ہر فن کی ہے حکمت پر بنا

صوفیِ صافی ادھر کچھ کہہ رہا تھا زیر لب
واعظ معجب ادھر کچھ بک رہا تھا برملا

خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم
ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا

شاعر مغرور بھی اک سمت خنداں زیر لب
سن رہا تھا لاف اہل فضل اور خاموش تھا

جا کے پہنچا جب وہاں تک رتبہ ہائے سخن
دفعتاً مجلس سے اٹھا اور ہوا یوں خود ستا

دعوئے فضل و براعت اسکو زیبا ہے یہاں
جو کوئی تلمیذ رحمٰن تم میں ہو میرے سوا

ہے تصرف میں ہمارے عرصۂ دشت خیال
کچھ نہیں معلوم جس کی ابتدا اور انتہا

دسترس میں ہمکو چشم و گوش پر تکیہ نہیں
ہیں ہمارے بال و پر اندیشۂ فکر رسا

صاف ہوتا ہے بیاں اپنا خس و خاشاک سے — پاک ہو جیسے وساوس سے دلِ اہلِ صفا

اتفاقاً گر کسی کی مدح پہ آجائیں ہم — خاطرِ ممدوح میں اسکا نقشِ الفت دیں جما

خاک کو چرخِ بریں پر دیں اگر ترجیح ہم — مانند ہو ذرّے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا

وصفِ خوباں ہم سے گر سن پائے سالک ایکبار — ہو نہ ہرگز پنجۂ عشقِ مجازی سے رہا

گر کریں ہم گلرخوں کی بیوفائی کا بیاں — ہو نہ بلبل پھر چمن میں روئے گل پر مبتلا

کھینچدیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق — قیس کی کرنی پڑے لیلیٰ کو جا کر التجا

ہیں ہماری مدح کے پیر و جواں امیدوار — اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا

گرمیٔ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے — بادۂ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے — ہم جہاں چلتے ہیں وہاں مسدود ہے راہِ خطا

کچھ نہیں اپنا ضرر گر ہو روایت میں خلل — جھوٹ سے ہوتی ہے یہاں رونقِ عبارت کو سوا

دی نہیں گویا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ — جو نہیں جایز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا

خودستائی جو کسی کو جز خدا پھبتی نہیں — آ کے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یہاں رنگِ قبول
گالیاں دیدے کے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

جب یہ بالا خوانیاں شاعر کی واعظ نے سنیں — مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہرزہ سرا

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف — پیشہ تیرا یاوہ خوانی اور اترانا و ادعا

امت حق کے عالم جو ہیں ازروئے خبر ق — وارثِ علمِ نبی قایم مقامِ انبیا

کیا ادب جاتا رہا ان کا بھی تجھکو اے سفیہ — برسرِ مجلس ہے تو جو اس طرح ہنکارا

گو نہیں گنتی ہیں اہلِ علم کی یہ خاکسار — پہ سنے جاتے نہیں یہ تیرے دعوے نارَوا

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل — ہزل و سخریت کجا بزمِ خردمنداں کجا

علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں دفتر کھلے — کیسے دی ہے تجھکو واں اس ہرزہ گوئی کی رضا

شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآں میں لسے — کیوں خلافِ شانِ ختم المرسلیں کہتا خدا

شان میں یا لعلم ۱ زری جسکی آیا ہے صریح — فخر ہے اس شعر پہ تجھکو یہ اے شر الوریٰ

چاہیئے الناس اہل الذکر ۲ سے ہو مستفید — ہو نہ جس کو علم سنت اور کتاب اللہ کا

خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہلِ علم کی — بھاگتے ہو جیسے شیطاں اذاں سے بھاگتا

ہے یہی باعث کہ بک اٹھتے ہو تم بے اختیار — جو تمہارے منہ میں آتا ہے سزا اور ناسزا

اس زبانِ یاوہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو — جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا

بے حقیقت ہیں ترے سارے خیالات بلند — ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا

ہے جہاں خامے کو تیرے خدمت مشاطگی — مورت اک پتھر کی ہے واں عورت بے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیرے کمر — رات سے تاریک تر ہجرِ صنم میں دن ترا

شش جہت میں تو کرے برپا قیامت بات بات — یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

تیغ چوبیں کی ہو گر پُرسش بیاں کرنی تجھے — ہے تنزل گر اسے ٹھہرائے تو تیغ قضا

ہو جہاں لکھنی تجھے سپ گلی کی جست و خیز — اک تڑاوے میں اسے پہنچائے تو فوق السماء

تو ہوا مدح و ثنا میں جس کی سرگرمِ غلو — اور الٹا خوبیوں پہ اس کے پردہ پڑ گیا

۱؎ عربی میں یہ قول مشہور کہ الشعر یزری بالعلم یعنی شاعری عیب لگاتی ہے علم کو۔

۲؎ اہل الذکر سے مراد علماء دین ہیں +

پہلے مدح کا تنزل ہے اگر ٹھہرائیے تو ۔ جم کو اس کے در کا درباں اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یہاں بچارے کس گنتی میں ہیں ۔ تنگ ہیں ہاتھوں سے تیرے انبیا اور اولیا

آگئے تو آل کریہ سکیں کو سارا منزلت ۔ اور کہے آل لعبت سنگیں کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگ گیاہ ۔ اس میں ثابت کرکے چھوڑے تو صفات کبریا

یا خوانوں سے سوا ہو تجھکو گر تہنیت ۔ خواب میں سُن پائے تو گر کوئی شادی کی صدا

یا نہیں غل ڈالدے تو اٹھائے شوق سے ۔ چین میں شہرہ ہو گر اک شاہد نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبوں سے کبھی ۔ کان میں پڑ جائے تیرے ایک جھوٹی واہ وا

مذہب شاعر میں جس کا دین باطل تم ہے ۔ راستی اور صدق سے بڑھکر نہیں کوئی خطا

سربسر اقوال تیرے کچھ ہیں اور افعال کچھ ۔ ہے زبان گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا

شان میں آیا ہے جن کے قول ما لا یفعلون[1] ۔ چشم بد دور آپ کے ہادی ہیں وہ اور مقتدا

ایسے دروازے بہت کم پائینگے آفاق میں ۔ جن پہ صبح و شام تو نے دی نہ ہو جاکر صدا

ہے زبان و خامہ تیرے تابع فرمان حرص ۔ کام تجھکو کچھ نہیں جز مدح و قدح اغنیا

مدح میں حد سے زیادہ جن کی کرتا ہے غلو ۔ گالیاں دیتا ہے تو اکثر انہیں کو برملا

جیسے دروازوں سے پھرتے ہیں دعا دیکر فقیر ۔ مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دیکر دعا

ہر دعا میں ہے مقدر شرط ان استطعتنی ۔ صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہے مزا

پردۂ عرض ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو ۔ گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہے گدا

[1] قرآن میں شعرائے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انھم یقولون ما لا یفعلون ۔ یعنی وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۔

زہر دل کا جبکہ واعظ نے لیا سارا اگل — اور نہ کوئی تیر باقی اس کے ترکش میں رہا
سن کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس — ہے زبان تیرے دہن میں یا سناں جاں گزا
چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر — تو نے چاک پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا
خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام — اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ پند حرص و ہوا
تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں — پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے میں ہر شاہ و گدا
کھیلتے پھرتے ہیں میدان جہاں میں سب شکار — آ رہیں ٹٹی کے لاکھوں اور ہزاروں نے ملا
حرص ہوتی جسم میں انساں کے گر جائے خون — شاعروں سے تیرے چہرے کی نکلتی ہو تو شوا
ہیں نے ان آنکھوں سے اے لغظ لباس وعظ میں — جو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما
خبط ہے اک تم کو اکہدو ں گر برا مانو نہ تم — آپ ہو بیمار اوروں کو دیتے ہو دعا
آپ ہیں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع — خوبیاں سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا
میں بتاؤں آپ کو اچھوں کی کیا پہچان ہے — جو ہیں خود اچھے وہ اوروں کو نہیں کہتے برا
بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف — مونہہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا
ترک اولی پر فضیحت جس قدر کیا ہے تو — قتل انساں پہ نہیں ملتی کہیں ایسی سزا
ہے فقط دوزخ تری سرکار میں جنت نہیں — چوک جس سے ہو گئی پھر نہیں تو بخشتا
عاصیوں کی مغفرت جن سے نکلتی ہے صریح — ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے تو چپ ہیں حقا
گر خدا بھی واعظ ہوتا تمہیں سا سخت گیر — اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا کھلا
گرم بازاری کسی میں اپنی بس سمجھے ہو تم — لوگ ہوں بدراہ اور ان کے بنو تم رہنما
چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی نہیں — میں لٹایا چاہئے جس طرح امراض اور دوا
آپ ان باتوں کو اگلی تاں سمجھیں گے مگر — سوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا

جو کہوں میں اس کو باور کر نہیں ہیں خلاف ۔۔۔ شاعروں کے مذہب باطنہ ہے اغراق کی بنا
یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم خود ہیں جسکے معترف ۔۔۔ جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے میں تقدس کے چھپا
دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو ۔۔۔ ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تو نے ادا
یاد ہے وہ بیٹرا کھانا دیکھ کر کھانے چنے ۔۔۔ دین قائم ہے ابھی یارو کرو شکر خدا
مدرسے کوشش سے تیری گو بنے ہیں شہر شہر ۔۔۔ مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جابجا
پر یہ حیرت ہے کہ ان کا مول جو لاگت لگی ۔۔۔ اس سے دہ چند آپ کے دیوانخانہ میں لگا
مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے خوفناک ۔۔۔ نیکیاں تیری ہیں جیسی پرخطر روز جزا
ہے یقیں اتنا ہی ہوگا اپنے دل میں تو حقیر ۔۔۔ جس قدر مانا ہے زید و عمر نے تجھ کو بڑا
کردیا رسوا تری ترویج نے تذکیر کو ۔۔۔ ورنہ اک منصب تھا یہ شایانِ شانِ انبیا
لطف ہے تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب ۔۔۔ سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا
گہ تبسم سے ذرا کر چاہتا شفقت ہے تو ۔۔۔ گاہ ہونٹوں پہ بچھا کر مانگتا ہے رونما
گونجتا منبر پہ ہے یوں بیٹھکر گویا کہ آپ ۔۔۔ آسماں سے لے کے اترے ہیں ابھی حکمِ خدا
ہاتھ میں تیرے ہے گویا نار و جنت کی کلید ۔۔۔ جس نے پوچھا تجھکو وہ فردوس میں داخل ہوا
نیکیاں برباد ہیں ساری تری خدمت بغیر ۔۔۔ فرقہ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا
اپنی اک امت الگ سب سے بنانے کے لئے ۔۔۔ تفرقے ڈالے ہیں دین حق میں تو نے جابجا
تیرے گھر سے ہیں مسلمانوں میں جبتک نزاع ۔۔۔ اختلافِ امت کا حق میں تیرے رحمت ہو گیا

ملا جیسی علما کی دعوت میں ایسے ایسے تکلفات کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں دیندار لوگ
ابھی موجود ہیں۔ اور دین قائم ہے۔ سارے پوجنا سی درے میں نظر کرنے کو کہتے ہیں۔

جس طرح جھگڑوں کے خواہاں ہیں یہ [illegible]
مانگتا ہے تو یونہیں باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم میں جوتی سدا چلتی رہے
کشتیِ اسلام کا بیڑا کیوں نہ ہو تو ناخدا

شاعروں کو بس اسی موقع سے کہتا ہے تو
اے اسیرِ دامِ نفس۔ اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا بنتے تو بہتر ہے ہم گدا ہوتے نہیں
ورنہ ہم بھی بول تو کہہ اٹھتے ہیں بعضوں کو گدا

شاعری پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
حد سے بڑھ جاتے ہیں جب کرتے ہیں مدحِ اغنیا

طعن کچھ بیجا نہیں یہ کہتے ہیں پر اک عذر ہم
غور کرنا عذر پر ہے شیوہ اہلِ صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا آبائی پیشہ مدح
جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

اپنے اپنے کام اور پیشہ میں ہم ہوں یا کہ تم
کرتے ہیں ہوتا ہے جو کچھ مصلحت کا مقتضا

وعظ میں دیتے ہو آخر داستانوں کی چاٹ تم
راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا

مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں
جب تنِ ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا

پھول پھل سے سرو کو بے بہرہ جب پاتے ہیں ہم
ایک طرہ اس میں آزادی کا دیتے ہیں لگا

سوسن و نسرین و گل میں جب وفا پاتے نہیں
وصفِ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب انکا چھپا

پر ہم اس پردے میں خود اپنا دکھاتے ہیں کمال
ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا

اس سے بڑھکر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی
لکھیں اعمیٰ کو بصیر اور رہزن کو رہنما

عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیرواں عہد انہیں
ایک منکوحہ کا حق ہوتا نہیں جن سے ادا

حاتمِ وقت ان کو ٹھہراتے ہیں جنکا بذل و جود
اس لئے ہے تاکہ حاصل حاکموں کی ہو رضا

زیرکی میں ان کو کہتے ہیں ارسطوئے زماں
ہمنشیں احمق بتاتے ہیں جنہیں صبح و مسا

کہتے ہیں کس شد و مد سے ہم انہیں بیدار مغز
جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور کیا خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکام کی
ان کی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا

ان میں ثابت کرتے ہیں ہمدردیٔ نوع البشر
آپ کو گنتے ہیں جو نوع بشر سے ماوری

حامیٔ اسلام دیتے ہیں خطاب ان کو کہ جو
کرتے نہیں ہیں سوا اپنوں سے اپنے نام اسلام کا

یاورِ خلق ان کو کہتے ہیں جنہیں اے واعظو
نام کسی کے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا

مدح کی حاجت نہیں یہاں اکثر اسی انداز سے
قبح ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

قطب دوراں ان کو کہا کرتے ہیں [illegible]
آپ کو [illegible] سمجھا کیے ہیں مدتوں [illegible]

ان قسموں سا دولہ کو ہم لکھتے ہیں ذو اللسانین
بیٹھ کر در پر جو آنکھوں کا کاجل لیں اڑا

آپ چپٹ اس کو کہیے جو مدح وہ بے غرض
نام اسی کا مدح ہے تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چھیڑ دی اور کسی سخنور نے یہ کی تقریر جب
اور لگے سب مسکرانے دیکھ کر یہ ماجرا

دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ ہیں
چھیڑ کر اک بے ادب کو مفت میں رسوا ہوا

پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کیلئے
ہنس کے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا

ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر
ہزل و استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے برا

کہیے فکر شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق
آپ نے دیوان مرتب کیوں نہیں اب تک کیا

ہیں ہنسی کی اور باتیں کیجئے انصاف اگر
ہے غزل میں آپ کی دیوان حافظ کا مزا

عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے یہ حسن ظن
ورنہ میں کیا اور مرا مجموعۂ اشعار کیا

تھا کبھی وہ دن گئے جو شاعروں کی قدر تھی
شاعری اور نکتہ پردازی میں اب ہے کیا دھرا

شعر اگر کہیے تو روٹی جا کے کس گھر کھائیے
سیکڑوں پھرتے ہیں شاعر تنگ دست اور بے نوا

اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر
وقت ہے شاگرد ہو جاؤں کسی استاد کا

اس لیے گزرے زمانہ میں بھی یہ فن شریف
کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا

آپ لوگوں کی تو ہمیں ریس کرنی ہے محال
پر ہمیں بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آجائے گا

روز اک سونے کی چڑیا گر نہ ہات آئی نہ آئے
ہم گنہگاروں کا پیٹ ایسا نہیں ہے کچھ بڑا

کی سخن پرداز نے واعظ سے جب یہ گفتگو
قہقہوں سے چار سو مجلس میں اک غل پڑ گیا

خواب کا سا وہ سماں جاتا رہا سب یک بیک
اور دی پہلو سے دل نے کان میں میرے صدا

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجئے ہر بات سے
کہہ گئے ہیں اہل دل دع ما کدر خذ ما صفا

(مرتبہ ۱۸۸۶ء)

ہے عہد یہ کس جشن کی یا رب کہ سراسر
ہے جوبلی ہی جوبلی ایک اک کی زباں پر

یہ عہد کہ گزرے ہیں برس جس کو پچاس اب
ست جگ سے ہے یہ ہند کے حق میں کہیں بہتر

وہ دور تعصب تھا یہ ہے دورۂ انصاف
وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر

جمشید پہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر
ایراں میں کیا جشن سدہ اس نے مقرر

اس عہد ہمایوں میں ہزار ایسے کرشمے
ظاہر ہوئے اس طرح کہ عقلیں ہوئیں ششدر

یہ جشن مبارک ہے بہت جشن سدہ سے
وہ آگ نکلنے کا یہ بجھنے کا ہے مظہر

اس دور خجستہ میں وہ سب بجھ گئے شعلے
تھی جن کی جہاں سوز لپٹ آگ سے بڑھ کر

اس عہد نے وہ خون بھرے ہات کئے قطع
جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر

بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب
جو لوگ روا رکھتے تھے خونریزی دختر

جب بیٹیوں نے زندگی اس طرح سے پائی
دی زندگی اک اور انہیں علم پڑھا کر

اس عہد نے کی آکے غلاموں کی حمایت
انساں کو نہ سمجھا کسی انساں سے کمتر

دی اس نے مٹا ہند سے یوں رسم ستی کی
گویا وہ ستی ہوگئی خود عہد کہن پر

نابود کیا اس نے زمانہ سے ٹھگی کو
اک قہر تھا اللہ کا جو نوع بشر پر

له یہ قصیدہ انجمن اسلامیہ لاہور کے ایڈریس کیساتھ انجمن کی طرف سے بحضور ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند گزرانا گیا تھا ۱۲

اس عہد میں انساں ہی نہیں ظلم سے محفوظ
مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خچر

اے نازش برطانیہ اے تخت بر ترک
اے ہند کے گلزار کی شادابی ہند کے قیصر
سچ یہ ہے کہ فاتح کوئی تجھ سا نہیں گزرا
محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر
تسخیر فقط ملکوں کو عالم کو کیا تھا
اور تو نے کیا ہے دل عالم کو مسخر
بیدا اپنے فرائض میں مسلماں ہیں نہ ہندو
معمور مساجد ہیں تو آباد ہیں مندر
بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹا
سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں روز برابر

گو منت قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احساں مگر اسلام پہ اس کے ہیں گراں تر
معلوم ہے جو موروں پہ اسپین میں گزری
جس وقت ازابلا ہوئی وہاں صاحب افسر
حالت وہی اس ملک میں پہنچی تھی ہماری
گرتا نہ اگر اس کا نشاں ہند میں آکر

اب ہند میں کشمیر سے تا راس کماری
ہر قوم کے ہیں پیر و جواں متفق اس پر
امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو
راحت کی کسی سایہ میں جز سایہ قیصر

گر برکتیں اس عہد کی سب کیجئے تحریر
کافی ہے نہ وقت اس کے لئے اور نہ دفتر
ہے ایسا ہی خلق سے کہ آفاق میں جب تک
آزادی و انصاف حکومت کے ہیں جوہر
قیصر کے گھرانے پہ سدا ہو نہ زوال
اور ہند کی نسلوں پہ سدا سایہ قیصر

پھوٹ سے ایکے نے کی یہ گفتگو | میں ہوں جہاں کا چمن آرا کہ تو
میرا ہے یا تیرا مبارک قدم | مجھ سے ہے یا تجھ سے بقائے اُمم
اپنی ستائش نہیں زیبا، مگر | حق نہ جتاؤں تو ہے خوفِ ضرر
منزلِ ہستی کا ہوں میں رہنموں | کچھ نہ ہو اے پھوٹ اگر میں نہ ہوں
مجھ سے ہی اجسام کو ہے التیام | مجھ سے ہی اجرام میں ہے انتظام
میری بدولت ہے کھچا اور تنا | جال یہ سب ثابت و سیّار کا
میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں | زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں
دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا | قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا
ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصارِ حصین | ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں
میں ہوں اگر موروں کے درمیاں | ان کا سلیماں کو کروں میہماں
مجھ سے ہے ہر قوم اعانت طلب | کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب
قوموں کے اقبال کی ہیں میں دلیل | میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل
مجھ سے گھرانوں کی ہے چھاتی پہاڑ | میں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہے اجاڑ
ملک ہیں آباد مری ذات سے | چین ہے اک میری کرامات سے

میں نے ہے جس قوم کو بخشا وقار — قوم وہی قوم ہے باقی کہار

بخت عدو مال ہے اس قوم کا — بندہ خود اقبال ہے اس قوم کا

زرغہ میں گھر جائے گر اک ان کا فرد — لاکھ پہ بھاری ہے بوقت نبرد

ڈال نہیں سکتا کوئی اس پہ ہاتھ — سوجھتی ہے قوم تمام اس کے ساتھ

میرا ہے جس ملک میں جاری عمل — واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

میرے تصرف میں ہے جو سرزمین — واں کوئی بیکس، کوئی تنہا نہیں

ایک ہے زخمی تو ہیں سب دلفگار — ایک ہے مظلوم تو حامی ہزار

ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب — پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب

آگ اگر گھر میں لگی ایک کے — قوم میں گھر گھر دھوئیں اٹھنے لگے

کُل کی مصیبت میں کُل مبتلا — ایک پہ آتی نہیں کوئی بلا

ضعف دباتا نہیں ان کو کبھی — رکھتے ہیں کمزور بھی واں دل قوی

غم نہیں افلاس کا مفلس کو واں — ایک کا افلاس ہے سب پر گراں

ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار — ایک ہے رسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

سنتی ہے اے خانہ برانداز پھوٹ — سچ ہے یہ سب میرا بیاں یا کہ جھوٹ

مجھ میں نہیں عیب کچھ اس شے کے سوا — ساتھ میرے تیرا ہے کھٹکا لگا

ذات ہے میری مہ کامل مگر — دیتی ہے گہنا مجھے تو آن کر

ہوتی اگر تیری نہ یاں ہست و بود — میرا مبارک تھا جہاں میں وجود

چشمۂ رحمت سے جماعت دُھلے　　کرتی ہے تو آ کے مکدر اسے

چار جو مل بیٹھتے ہیں یہاں کبھی　　سب نظر بد سے ہیں لرزاں تری

صلح کا رہتی ہے ترا تکمنی تو　　دو کو بہم دیکھ نہیں سکتی تو

قطع و برش تیری جبلی ہے خو　　گوشت جدا کرتی ہے ناخن سے تو

بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تو　　یاروں کو کر دیتی ہے بے یار تو

ڈالتی ہے ان میں نزاع و خلاف　　دو کے نہیں چھوڑتی دل ان میں صاف

قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا　　چلتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا

مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ　　اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ

سوجھتی ملت کی نہیں کوئی بات　　یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات

رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں　　جس سے جسے دیکھئے ہے بدگماں

زید کا ہے عمرو سے ظاہر ملاپ　　دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے پاپ

ایک یہ کہتا ہے کہ میری چلے　　دوسرا خواہاں کہ زک اس کو ملے

دیکھئے جس کو وہ ہے اس تاک میں　　یاروں کے منصوبے ملیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر　　جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر

عیب ہیں جو تجھ میں وہ مجھ میں نہیں　　خوبیاں جو مجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

پھوٹ نے ایکے سے سنا جب یہ لاف　　بولی کہ تقصیر ہے میری معاف

نام ہے بدنام مقرر مرا　　ذکر برائی سے ہے گھر گھر مرا

پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر　　میں ہوں وہی جو کہ تو ہے سربسر

عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں　　خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں
خلق کے ہم دونوں مددگار ہیں　　دوست کا تو یار ہے دشمن کی ہیں
اپنوں سے تو غیر کو کرتا ہے زیر　　میں ہوں کہ اغیار کی رکھتی ہوں شیر
میں کروں تائید نہ تیری اگر　　ہو کوئی خوبی نہ تری جلوہ گر
کام رہیں سارے ادھورے ترے　　ہوں کبھی منصوبے نہ پورے ترے
میرے ہی بل چلتی ہے گاڑی تری　　مجھ سے ہی سرسبز ہے باڑی تری
میں جو نہ ایراں کو دلاتی شکست　　رومیوں کے حوصلے ہوجاتے پست
ڈالتی بغداد میں گر میں نہ جال　　تو کرتی نہ عباسیوں کو پائمال
کام نہ آتا کوئی تیرا ہنر　　فتح نہ پاتی کبھی فوج تتر
ہوتی بخارا میں نہ گر میں مخل　　تو کرتی نہ سامانیوں کو مضمحل
غزنوی اس طرح نہ پاتے فروغ　　ٹھہرتے ہوتے ترے سارے دروغ
ہند میں میں گل نہ کھلاتی اگر　　تو رنگ نہ یہاں اپنا جماتی اگر
غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو　　خلجیوں کے کام کچھ آتا نہ تو
لودھیوں کے چھٹتے نہ آگے قدم　　مغلوں کا یہاں آکے نہ گڑتا علم
بنتا میں کرتی نہ اگر پاس وطن　　پھیلتے مغربیوں کے نہ یہاں علم و فن

یہ تو لیا تو نے سن اے اتفاق　　اب کہوں کچھ اور جو گزرے نہ شاق
تجھ سے سوا مجھ میں ہے آج اسکو جان　　جلوہ گر انصاف الٰہی کی شان
تو جو کسی قوم کا بنتا ہے یار　　چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینہار

اس کو نہ پیش آئے کبھی وزبد　　بات ہے اس کی بنی تا ابد

حصہ نہیں اس کے لئے عز و شرف　　رشک سے قومیں تکیں اسکی طرف

آئے نہ اقبال کو اس کے زوال　　دوست رہیں شاد عدو پائمال

تیرا تو یہ خاصہ ٹھہرا۔ مگر　　عادت حق کی نہیں تجھ کو خبر

آج کسی کو جو چڑھاتا ہے وہ　　دوسرے دن اس کو گراتا ہے وہ

جزر ہے دریا میں پس از مد ضرور　　عزت و دولت کی ہے اک حد ضرور

ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور　　سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طور

خصلتیں انکی نہیں رہتیں درست　　فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سست

بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا　　بندوں کے حق اور حقوق خدا

ملتی ہے ہر چند کہ مہلت انہیں　　پر کبھی ہوتی نہیں جرأت انہیں

جب نہیں غفلت کا اترتا خمار　　ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

کرتے سفر ایسے نہیں پھر درگزر　　کارگزاران قضائے قدر

لیتے ہیں چھین ان سے حکومت کبھی　　کرتے ہیں سلب ان کی لیاقت کبھی

علم کبھی دیتے ہیں ان کا مٹا　　دیتے ہیں دولت کبھی اُن کی لٹا

اس پہ بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار　　بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

کوڑے پہ کھا کھا کے گئے گر سنبھل　　سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ مجھے کرتے ہیں مامور واں　　تا کروں قدرت باری عیاں

الحذر اس وقت سے اے اتفاق　　آن کے جب کہتی ہوں بس الفراق

آگئے اس قوم کے بس دن بُرے　　حق نے کیا جس پہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں   شیر دل کو کر دیتی ہوں روباہ میں

قدر و بہا قوم کی لیتی ہوں چھین   کوڑی کے کر دیتی ہوں بس تین تین

کرتے نہیں غیر انہیں تک کے پست   پلتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست

دیتے ہیں دھیان ان کا بد اندیش چھوڑ   آپ ہی مر جاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں   قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں

ہو گیا جس ملک میں یہاں میرا راج   قحط و وبا کی نہیں واں احتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف   کھوتی ہوں میں قوم کا عز و شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا   کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حکم یہی ہے مجھے لے اتفاق   ڈالتی ہوں اس لئے ان میں نفاق

ہے مری تحقیر خلافِ ادب   میں ہوں فرستادۂ درگاہِ رب

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا   پھوٹ کو یہ غیب سے آئی صدا

ڈال دیئے تو نے دلوں میں شگاف   کب تلک اے پھوٹ یہ لاف و گزاف

حد سے سوا بڑھ گئی تو شرم شرم   جھوٹ میں اور اتنا غلو شرم شرم

چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں   تجھ میں حقیقت کی کہیں بو نہیں

چیز وہی چیز حقیقت میں ہے   تعبیہ جو خلق کی فطرت میں ہے

فطرتِ انساں کے ہے جو کچھ خلاف   ہیچ ہے وہ اس میں نہیں اختلاف

طبعِ بشر میں ہے ودیعت وفاق   واں نہیں مطبوع بجز اتفاق

روم ہوں یا ترک عجم یا عرب   مہر و محبت پہ ہیں مجبول سب

ایک کو ہے ایک کی جانب جھکاؤ — ایک سے ہے ایک کے دل کو لگاؤ
ہوتی کچھ اے پھوٹ اگر تیری اصل — متحد انسان کی ہوتی نہ نسل
تو وہ ہے سرچشمہ نہیں جس میں آب — تیری نمایش ہے بہ رنگ سراب
ایسے بہت کرتے ہیں جلوے عیاں — آدم خاکی کی غلط فہمیاں
جیسے کہ بے اصل خبر گاہ گاہ — ملک کرا دیتی ہے دم میں تباہ،
تجھ سے بھی پڑ جاتے ہیں اکثر بگاڑ — رائی کے ہو جاتے ہیں بن کر پہاڑ
ہے یہ نمایش تری لے خود نما — شعبدہ اک وہم غلط کار کا
سیکڑوں گھر جہل نے گھالے ہیں یہاں — پردے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یہاں
جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں — ق — ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں
ٹھیک نہیں سوجھتی واں کوئی چیز — نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز
قوم کی تعریف نہیں جانتے — اپنی حقیقت نہیں پہچانتے،
کر نہیں سکتے وہ حقایق میں غور — کہتے ہیں جز اور ہے کل ہے اور
جانتے دریا کو ہیں اک شے جدا — قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جدا
پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا — ہے انہیں قطروں سے وہ دریا بنا
بس یہی انساں کی غلط کاریاں — دیتی ہیں پہنچا اسے اکثر زیاں
ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پہ — تولنے لگتا ہے اسی پر تبر
چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ — کانٹے اسی راہ میں بوتا ہے وہ
پینے کا جو اس کے ہے جاں بخش جام — زہر ملاتا ہے اسی میں وہ خام
حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں — جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

ہوتی ہے پر ختم شبِ تار جب ق پھیلتے ہیں علم کے انوار جب
شے نہیں رہتی کوئی پیشِ نظر نورِ حقائق کے سوا جلوہ گر
سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے پھوٹ
وہم دوئی دل میں سماتا نہیں اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں،
بھائیوں پہ پہلے کئے تھے جو وار اپنا بدن پاتے ہیں ان سے فگار
ان پہ چلائے تھے جو تیر و سنان اپنے بدن پہ ہیں اب ان کے نشان
ان کے سمجھکر جو بگاڑے تھے کام کام نکلتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہو جس قوم کا یہاں راہبر برکتیں اللہ کی اس قوم پہ
جلتے ہیں وہ برکاتِ وفاق ان پہ ہیں روشن خطراتِ نفاق
فرق نہیں ان کے زن و مرد میں قوم کی طاقت ہے ہر اک فرد میں
رتبہ یہ ایکے نے ہے ان کو دیا لاکھوں کروڑوں پہ ہیں فرمانروا
زور سے ہیں ان کے زبردست زیر لومڑیاں سامنے ان کے ہیں شیر

اے کہ تیری ذات ہے عالم پناہ اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ
جوڑنا ٹوٹوں کا ترے ہات ہے تیری صفت جامع اشتات ہے
منتج ادبار ہے جب تک نفاق ق مثمرِ اقبال ہے جب تک وفاق
تلخ ہے جب تک ثمرِ اختلاف ہے تر و تازہ شجرِ ائتلاف
بھیجیو نکبت نہ کسی قوم پر رکھیو ہر ایک قوم کو شیر و شکر

ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی　　　ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی
بند سے ہو نہ بند کوئی جدا　　　بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا
پھوٹ کسی قوم میں پڑ جائے جب　ق　ایک ایک ان میں بکھر جائے جب
رکھتی ہے باقی تجھے گر ان کی نسل　　　تفرقہ گر ان کا مبدل بہ وصل
ورنہ اگر ہو نہ ملاپ ان کو راس　　　اور نہ ہو سر جوڑنے کی ان کے آس
وہ جیئے تو کیا جیئے بے آبرو　　　جلد اٹھا لے انہیں دنیا سے تو

پھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا
حق میں ہے اس قوم کے بہتر فنا

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا تھا

زمانہ دیر سے چلا آرہا ہے اے مسلمانوں
کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو

سنے ہوں گر نہ معنی لاتسبوا الدھر[1] کے تم نے
تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ رحمانی مجھے مانو

وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو

مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی کچھ ہے؟ اے مری چالوں سے بیگانو

گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیندار دنیا پر
بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو

۱؎ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ" یعنی زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی شان ہے شیون الٰہی میں سے اور زمانہ کے جو واقعات تم کو ناگوار گزرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں۔

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے　　بس اب ثروت ہے فرزندوں کا حصہ اے تن آسانوں
گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یہاں عیش کرتے تھے　　ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل میری جانوں
مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں　　یہ ہو وا کب تک اے شمع سحر گاہی کے پروانوں
پھر آتے ہو جس گھر کو نہیں دیار وہاں کوئی　　کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانوں

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری　　جہاں ہیں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری
جنہیں بینا ہیں سمجھا ہے یہ معلوم ہے ان کو　　کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صنعت میں　　نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہونگے سوداگر　　تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
نہ آئیگی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت　　جنہیں پائیں گے آقا زیور تعلیم سے عاری
اگر چاہینگے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی　　تو دینا ہوگا ان کو امتحان علم بیطاری
نہ مستغنی بکاول علم سے ہے اب نہ باورچی　　ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملیگی درسگاہوں میں　　گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی اک پسہاری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز　　نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم ہنر انساں کا اک زیور　　ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا　　نہ زرگر اور نہ آہن گر نہ بازیگر نہ سوداگر

خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر — جنہوں نے ہر سفر میں تجھکو آنکھوں پر بٹھایا ہے
جنہوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھکو مانا ہے — تری نصرت میں اخلاص مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

بہت ہیں سست دل لوگ ان کی تو ڈھارس بندھاتا رہ — امیدیں ان کی استقلال سے اپنا بڑھاتا رہ
ثمر پیدا ہوا یا کچھ نہ کر تو اسکی کچھ پروا — لگایا ہے چمن تو نے تو پودے اس میں لگاتا رہ
امیدیں ہیں بہت البتہ تیری زندگانی سے — دعائیں قوم کی بے منت شکر اپنی لیتا رہ
ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب باقی — سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ
نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیائے موتیٰ سے — جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مردوں کو جلاتا رہ
زباں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہے حق کہکر — تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینوں کو جھکاتا رہ
فرو ہوتی نہیں آتش ہے جب آتش بھڑکتی ہے — ہر اک شعلہ کو آب بردباری سے بجھاتا رہ
کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے — مہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہے — جو تو آل محمدؐ ہے تو سب صدمے اٹھاتا رہ

کوئی دن اور بس اے راہ حق میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہے

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں — پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہونگے بیچلر اور ماسٹر پیدا — مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
جو ہم میں قوم کا ہمدرد ہے یہ قدرت خدا کی ہے — نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں
ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا — نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں

ابھی اٹھا کر فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے — ہزاروں اس سے ہو جائینگے بدگماں ہم میں

اگر ہو بھی کسی قومی جماعت میں شکر رنجی — ہزاروں ہونگے یہ فال سن کر شادماں ہم میں

بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے — نہ دور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں

اگر پوچھو اس پہیلی کی نہ سمجھ ہم کو بتلانا — تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں

نہ کی سید کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے — تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہ تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بہ منزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار یار اب تک — کرو دھندلا نہ اس منہ کو جو ہے بے غبار اب تک

جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے — تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمہاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہے زمانہ میں — تمہاری خدمتوں کی قوم ہے منت گزار اب تک

جو کام انجام کرنا ہے تو پیوستہ رہو حامی — کہ قومی کامیابی کا اسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو جو ہو چکا ہے آپس کی ان بن کا — وہی انجام جو ہونا ہے ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطراف عالم میں — کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں — پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصل بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیئے باد مخالف نے — زمانہ کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر — ہماری گھات میں ہے انقلاب روزگار اب تک

نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو — سوا اک درسگاہ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصار قوم کو سر جوڑ کر یارو
مٹا دو حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دار العلم سے جو اب آصف زماں ہوگا — اسی دار الشفا میں بخت پیر اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت ابھرنیکی ہماری کوئی پستی سے — اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کر دیا ہے علم کی ہم کو سبک سب سے — اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا

یہ بستان علم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ — اسی چشمہ سے دیکھوگے کہ اک دریا رواں ہوگا

اگر اس میں آگئی آب بقا اس کھیت کی ہمدم — تو جو اگیگا پودا اس میں سے آسماں ہوگا

یقیں ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اسکی — ہمارا ہے وہ اسکے واسطے دنیا میں باغ جناں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی — تو ایک اک نہال اس باغباں کا خود باغباں ہوگا

جو حق نے عالم اسباب دنیا کو بنایا ہے — تو جو نکلیگا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اس قوم امت میں — اسی کھیتی سے اس میں جنس مردم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھا دیگی — نہ ڈھینے دیگا حق اسلام پر گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دار العلم اسلامی اخوت کی — ہم اس سے بدگماں ہونگے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
برا کہنا گھروں میں بیٹھکر اچھا نہیں یارو

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں آکر یہ چمن دیکھیں — ریاض قوم کا فصل خزاں میں بانکپن دیکھیں

وطن کو چھوڑتے ہیں کسلئے ترجیح غربت پر — اگر شام غربت بہتر از صبح وطن دیکھیں

جٹے ہیں بچے یہاں جو نونہال اطراف سے آکر — ہم سب کو شریک شادی یک انجمن دیکھیں

محبت ان میں دیکھیں تو یکجہتی پائی جائے — وطن پوچھیں تو ہند و سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں

اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر — تو ہر طفل و جواں میں حفظ عیب و حسن ظن دیکھیں

کدورت سے بری ایک ایک کو دیکھیں ادا سادے — سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں

تواضع منعموں کی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی
ادب بچوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چلن دیکھیں

تأمل رائے میں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی
لڑائی قبیلہ میں دیکھیں کلب میں یونین دیکھیں

اطاعت سلطنت کی احترام اہل حکومت کا
وفاداری کی گردن میں بندھی سیکھے رسن دیکھیں

نہ ہو ان میں غلامی کی نہ بیباکی کی خو ان میں
ادب اور معتدل آزادگی ان کا چلن دیکھیں

زباں سے قیصر ہندوستاں کا نام لے کوئی
تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلف پر فخر دیکھیں اور تأسف اپنی حالت پہ
لگن اسلام کی اور قوم کی دلمیں جھن جھن دیکھیں

نمازوں کی تقید دیکھیں اور روزوں کی پابندی
اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آکے گر احباب تنگ انجمن دیکھیں
تو زیب کرسیٔ صدر اک مجسم یونین دیکھیں

نہ دیکھی ہوں جنہوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں
وہ باپ اور اس کے شاگردوں کو باہم ہم سخن دیکھیں

تأسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پر
کلب میں ہندوؤں کے آئیں وہ اور یونین دیکھیں

اگر باور نہ ہو اخلاص سنی اور شیعی کا
بہم شیر و شکر یہاں چار یار و پنجتن دیکھیں

نہ دیکھا ہو جنہوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں
وہ آکر مسلم و ہندو کو یک جان و دو تن دیکھیں

مسیحی پوشتیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
مسیحی کو مسلمانی قبا زیب بدن دیکھیں

مجسم دیکھنی ہو شکل مہر مادری جن کو
وہ بچوں سے سلوک ارلینڈ مارلسن دیکھیں

اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
تو والس کا بوقت درس انداز سخن دیکھیں

اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں ہوسٹل کو آکر
فرائض میں تمام اوقات اسکے مرتن دیکھیں

وہم تدریس دیکھیں چکرورتی کو اگر ہو سول
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں نہ ابرو میں شکن دیکھیں

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحید عصر یکتائے زمن دیکھیں

اگر بو جعفرِ طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں — تو عباس ابن جعفر سا محیطِ علم و فن دیکھیں

سخن کوتاہ دار العلم پر ہوں قوم کے نازاں — جو آکر اسکا ایک اک ذرہ تکمنوں من و عن دیکھیں

پھر ان کے بعد گر دیکھیں مربی اپنے بچوں کا — تو اک بچوں سے بڑھکر زندہ دل پیرِ کہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں رکھ سکتے ہیں — اسے جب آکے دیکھیں قوم کی دھن میں مگن دیکھیں

رہیں چپ کس طرح ہم باعتیاں کی مدح و تحسین سے — جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں یہ کہ ہے اسکو ہماری مدح کی پروا — اگر سید کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں

محبِ قوم سنتا ہے در و دیوار سے تحسین — جنہیں یاور نہ آئے وہ محبِ قوم میں دیکھیں

ادا سید کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا خالی

(مرقومہ ۱۸۷۴ء)

یہ حکایت ایک انگریزی نثر سے لیگئی ہے اور اسکو اردو میں باضافہ بعض جزئیات نظم کیا گیا

تھا کسی ملک میں اک دولت مند ۔ حق نے تین اس کو دیئے تھے فرزند

دور و نزدیک تھا گھر گھر چرچا ۔ باپ بیٹوں کی جوانمردی کا

باپ ہوں جن کے مروت والے ۔ بیٹے پھر کیوں نہ ہوں ہمت والے

ہو چکا عمر کا جب سرمایہ ۔ ایک دن باپ کے جی میں آیا

گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر ۔ مشترک چھوڑ مرے اس کو اگر

جلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم ۔ آخر اک روز ہے مرنا تسلیم

بس کہ تھا اس کو بہت فکر مآل ۔ ایک دن بیٹھ کے سب مال و منال

اک گراں مایہ جواہر کے سوا ۔ تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا

پھر کہا ان سے کہ اہل ہنر ۔ باپ کی جاں فدا ہو تم پر

تم میں جس سے ہوا بڑا کام کوئی ۔ یہ جواہر ہے امانت اس کی

باپ نے ان سے کہا جب یہ سخن ۔ پھر تو تینوں کو لگی اور ہی دھن

کہ کوئی کار نمایاں کیجئے ۔ جس طرح ہو یہ جواہر لیجئے

ان میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے ۔ اس کو یہ فکر سوا تھا سب سے

ایک دن اس کا کوئی واقف کار — کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص و پیار
رکھ گیا آ کے جوانمرد کے پاس — ایک تھیلا سی ہی رقم بے وسواس
تھے رقم سے وہی دونوں آگاہ — نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ
کچھ بھی نیت میں گر آجائے خلل — تو یہ تھا عین خیانت کا محل
جب رقم اس نے طلب کی اس سے — وسوسے دل میں بہت سے آئے
مگر اس شیر کی نیت نہ پھری — لی تھی جن ہاتھوں انہیں ہاتھوں دی
نفسِ سرکش کو کیا مات اس نے — دی رقم اور نہ دی بات اس نے
صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا — وہ بھی اس دل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے دی جب یہ خبر — ہنس کے فرمایا کہ اے جانِ پدر
اک برائی سے بچے تم تو کیا — اس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا
اک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز — شرم کی جا ہے۔ تری عمر دراز

منجھلے بیٹے نے پھر اک دن یہ کہا — میں جو دریا کی طرف جا نکلا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک طفلِ صغیر — گر کے پانی میں چلا صورتِ تیر
تھا جہاں یار نہ کوئی یاور — ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر
آنکھ تکتی جانبِ مادر نگراں — ماں کنارے پہ ادھر تھی حیراں
گرچہ تھا کام خطرناک بڑا — پر اسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا
جان و تن کی نہ رہی مجھکو خبر — جا پڑا نام خدا کا لے کر
جان تو جا ہی چکی تھی اس کی — پر مری شرم خدا نے رکھ لی

ایک دم بھر میں گیا اور آیا | لا کے بیٹے کو دیا ماں سے ملا
باپ نے سن کے یہ سب اس سے کہا | کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا
آدمیت کا کیا تم نے کام | جاؤ بس ہے یہی اس کا انعام
فخر کی جا یہ مری جاں کیا ہے | نہ ہوا اتنا بھی تو انساں کیا ہے"

پسر خرد کا اب سنئے بیاں | جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں
عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز | باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز
بات گو لائق اظہار نہیں | آپ سے کہتے ہیں کچھ عار نہیں
جب اک روز گھٹا چھائی تھی | رات آدھی کے قریب آئی تھی
شب تاریک میں وہ ابر سیاہ | کہ جہاں کام نہ کرتی تھی نگاہ
اک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا | خوف چھاتی پہ چڑھا جاتا تھا
ساتھ تم تھے نہ کوئی بھائی تھا | میں تھا اور عالم تنہائی تھا
کوندی اک سمت سے بجلی ناگاہ | جس سے آگے کو کھلی راہ نگاہ
پڑی اک غار پہ واں میری نظر | جس کی صورت سے برستا تھا خطر
موت کھولے ہوئے تھی منہ گویا | جس کے دیکھے سے جگر ہلتا تھا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک مرد غریب ق | جس کو روتے ہیں کھڑے اسکے نصیب
جیسے رستے کا تھکا ہو کوئی ۲ | یا کہ جینے سے خفا ہو کوئی
جان و تن کا نہیں کچھ بھی ہوش ۳ | غار کے منہ میں پڑا ہے مدہوش
اپنی ہستی کی نہیں اس کو خبر | اور قضا کھیل رہی ہے سر پہ

اجل آجائے تو ہے روک تھام   ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام
اتنے میں اور جو بجلی چمکی   شکل پھر غور سے دیکھی اسکی
مرد نکلا وہ شناسا میرا   تھا مگر خون کا پیاسا میرا
مجھ میں اور اس میں عداوت گہری   ایک مدت سے چلی آتی تھی
واں عداوت پہ گر آؤں اپنی   اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی
مارنا اس کا نہ تھا کچھ دشوار   اک اشارہ میں وہ تھا لقمۂ غار
آگیا مجھکو مگر خوف خدا   اور پہلو سے یہ دی دل نے صدا

مرتے کو مارنا بے دردی سے   ہے بہت دور جوانمردی سے
حوصلہ کا ہے یہی وقت کہ آج   ہے عدو اپنی مدد کا محتاج
جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانب غار   کہ اسے کھینچئے چل کر بیدار
واں سے جا اس کو اٹھا لایا میں   موت کی زد سے بچا لایا میں
منہ کو واں سے مگر ڈھانک لیا   اس کو شرمندۂ احساں نہ کیا

سن کے دی باپ نے بیٹے کو دعا   اور چھاتی سے لیا اس کو لگا
پھر بڑے بیٹوں کو بلوا کے کہا   بولو اب کس سے ہوا کام بڑا
داستاں جب یہ سنی دونوں نے   باپ سے عرض یہ کی دونوں نے

خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف   پوچھئے ہم سے تو ہے یہ انصاف
جس جواہر کے طلب گار تھے ہم   اس کے لائق تھے نہ حقدار تھے ہم
اور کو اس کی ہوس ناحق ہے   حق یہی ہے کہ وہ اس کا حق ہے
باپ یہ سن کے ہوا شاد بہت   ان کے انصاف کی دی داد بہت
چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس   پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس
پھر جواہر اسے دے کر یہ کہا   تو یہ ہو تمکو مبارک بیٹا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً

ترکیب بند موسوم بہ زمزمۂ قیصری

(مرتبہ ۱۸۸۷ء)

یہ نظم ایک انگریزی پویم کے تین حصوں میں سے اول حصہ کا منظوم ترجمہ ہے شاید مسٹر ایسٹ وِک اس کے مصنف ہیں جنھوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جب کہ وہ دہلی میں کمشنر تھے اس تمام پویم کو دلی کے چند لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھی جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پویم اردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں ان کے حکم سے صرف پہلے حصہ کو اردو میں کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی۔ اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا۔ اس نظم کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہ جو ہو اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمانوں بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اس کو دیکھ کر مجھ سے ناخوش یا ناراض نہ ہوں۔ میرا صرف اتنا قصور ہے۔ کہ میں نے ان خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جس کو میرے ہموطن سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے مجبور کیا اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر تمیز کیلئے اس کو بریکیٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ باینہمہ ممکن ہے۔ کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے لیکن جو لوگ انگریزی

پولیٹیکل خیالات کو اردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ ان سے امید ہے کہ ایسی خفیف فروگذاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستان — زیب دیتا ہے اگر کہیئے تجھے سارا جہاں
اک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوار کوہ — موجزن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا — ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں
بحر میں ہوتا ہے اک شورِ قیامت آشکار — جبکہ اس میں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
خوف باہر کا ہوتا ہے تجھکو ورنہ کچھ اندر کی فکر — (دستِ گلچیں نارسا و نخلِ دولت گل فشاں)
تو نے فارغ کر دیا ہے فتحِ ملک غیر سے — پھر ضرورت کیا کہ کھوئیں بے سبب تیرا نشاں

چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار
(ہو نہ اب کہدو خزاں سے لخت اندازِ بہار)

اے مقدس آریہ ورتھ آئی کیا تجھ پر بلا — جس نے برہم کیا لی کو تیری برہم کر دیا
کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر نفاق اور اتحاد — کون تھا جو تیری جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا
تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں — ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھ کو سزا
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی — لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگام وغا
گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج — ہوش کھو دیتی تھی اسپانِ ہندی کی صدا
بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جاتا محال — دیکھتے جب ہر طرف سے آتا سیلِ بلا
یا اطاعت کرتے اور لڑ بیٹھے ناز آتے وہیں — یا اگر کرتے بہت ہمت تو مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر الفت کی زمیں — قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں
جیسے جس مٹی سے اگنا چاہیے تھا نخل مہر — جم گیا آب و ہوائے دہر سے واں تخم کیں
سر بسر تختے گل خود رو کے جس جنگل میں تھے — (غور سے دیکھا) پنہاں تھے درندے بھی وہیں
(امن[1] قائم تھا طلوع صبح کے آغاز میں — جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا غارت گزیں)
دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے — فانیوں کی طرح یہاں آ کر رہے وہ بالیقیں
جنگ و خونریزی کے خود آ کر ہوئے وہ رہنما — ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
ایک زلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں (صد مرحبا) — اس خرابی پر بھی سہ کے تو نے حملے بارہا
جانتا ہے اک جہاں اسکندر اعظم کا نام — چشمۂ حیواں پہ جس کو لے گیا بخت رسا
تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سد راہ — اور جس کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آب زندگی — سایۂ ظلمت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا
گو ہوئی اس کی رسائی چشمۂ حیواں تلک — پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
جی میں جو حسرت تھی وہ آخر [illegible] — (دل میں جو ارمان تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا)

دقتوں نے [illegible] کی طرح گھیرا اسے
کام ہی مشکل [illegible] مشکل نظر آیا اسے

جس جگہ ملتا ہے ستلج سے [illegible] بیاس — رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کے اسکی واں ساحل کے پاس

---

[1] یہ شعر اپنی طرف سے اس لئے [illegible] [illegible] کہ بند کے پہلے سات شعر ہو جاتے تھے ۱۲ حالی

بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی　　کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس

تھا کھڑا حیران سکندر اور کہتا تھا کہ بس　　فتح ہند اک خواب تھا اور اسکی تھی تعبیر یاس

جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام　　کون پھر ایسا ہے آئے یہ عزیمت جسکو راس

لب بلب پھر وہیں آئی امنڈ کر اک گھٹا[1]　　بیاس کے میدان میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس

جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے نامور[2]　　پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوجِ بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملے کے آگے اہل ہند

چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہل ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو　　کر گئے یہاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں ان سے بارہا　　حملہ آور اترے اور پڑتے رہے ان پہ سبو

وہ نشاں جنکی چمک تھی بے بقا مثل شہاب[3]　　گر نظر آئے اٹک پر اور ستلج پر کبھو

رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہراس　　آ کے ٹھہرا پہلے مینندر[4] کنار آبِ جو

دھار میں گنگا کے وہ ہتھیار چمکے سربسر　　ہند تک یونان سے جو جیتے آئے تھے لہو

ناگہاں جہلم پہ چمکی آن کر سیتھیا کی آگ　　اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمود

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس اور ستلج کو پھاند

ہو گئے یونان کے ہتھیار آگے اس کے ماند

---

[1] اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا ۱۲

[2] یعنی سکندر اعظم ۱۲ [3] یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی طرح بے بقا اور ناپائدار تھی۔ اور جو ہندوستان پر حملہ کر کے محض ناکام یا چند روزہ شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے ۱۲ [4] مینندر یونان کے سوتر خاندان کا ایک

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند — جانب ہندوستاں محمودؒ نے ہانکا سمند

(بقیہ نوٹ ماقبل) مشہور بادشاہ ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملک باختر یعنی خراسان
وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰؑ سے دو سو برس پہلے مسلط ہو گیا تھا۔ مِنندر نے جیسا کہ بعض مؤرخین
نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۷۵ قبل مسیح سے ۱۶۱ قبل مسیح کے درمیان حملے کیے
ہیں اس نے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا ۱۲

؎ بحر اسود اور کوہ قاف اور بحیرہ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں۔ قدیم زمانہ
میں ان کو سیتھیا والے کہتے تھے۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس میں شامل
ہیں۔ سیتھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے۔ ان وحشیوں
کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ
حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد شمالی ہند میں ان کی زبردست سلطنت قائم ہو گئی تھی۔
ان کا سب سے مشہور بادشاہ کنشک ہوا ہے جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی
ایشیا میں جو بدھ مذہب کی اشاعت ہوئی وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ سیتھیا کی آگ سے غالباً انکی
جہانسوزی و تاخت و تاراج مراد ہے۔ جیسے اٹیلا و چنگیز خاں کو "بلیہ رحمٰن" کہا گیا ہے۔ اور عرب کی
فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے ۱۲

؎ انگریزی مؤرخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی
پر فریفتہ اور شیدا بنائیں یا اپنے مذہب پاک کا فریفتہ کریں۔ تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد
کو خوب چٹخارے لے لے کر جلوہ گر کرتے ہیں جس طرح اس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے
اسی طرح ایک انگریز نے اس کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں جن کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ نظم

اے ملک غزنی کا رقیب ہے وہ کون ٹڈا — حملے جس کے ہیں ترے ارکان ہلا ڈالتے
وہ تیرے قصر [illegible] ستون [illegible] — [illegible] وہ جو پہاڑوں کے غار میں بھی نہیں پنہاں

وہ پہنچتا تھا جہاں ہوتی تھی وہاں آفت بپا اور چلتا تھا جلو میں اس کے آسیب و گزند

(بقیہ نوٹ صفحہ ماسبق) امریکا کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کیے ان کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ کورٹیز جو کہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اس نے اور اس کے بعد سے دوسرے ہسپانیوں نے یہ ٹھان لی کہ میکسیکو کو قطعتہً ویران کر دیجئے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجئے چنانچہ جہاں تک ان سے ہو سکا وہاں کے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کورٹیز نے میکسیکو کے شاہنشاہ مونٹی زوما کو گرفتار کر کے الٹا لٹکا دیا اور اس کی رعایا کو اسکی آنکھ کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جن میں ہزاروں بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے معصوم بچوں کے روبرو ان کی مائیں اور باپ بہزار عقوبت و سختی آگ میں جھونک دیے جاتے تھے دیہات در جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑوا ڈالے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے وہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنھوں نے کافروں یعنی مسلمانوں کو غرناطہ اور اندلس سے نکالا کیونکہ ان پر بے رحم قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا۔ اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بے دین مسلمان اس لائق نہیں ہیں۔ کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسایہ اور ہم وطن ہو کر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ملین بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہات سے طرح طرح کی عقوبت اور سختی کیساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کا ہوا۔ یہ ملک جنوبی امریکا میں بحر الکاہل کے کنارے پر واقع ہے فرنسسکو پزیرو کہ غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا اس کو جنوبی امریکا میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا۔ جس نے پانامہ یا اس کے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اس کے ماتحت ملک پیرو کو جس کے تمول کی بہت شہرت تھی روانہ کریں۔ چنانچہ اسی سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا۔ اور

عشق پہ عشق آنے تھے ہری روح کو پیہم ہاں   سانس لیتا تھا جہاں وا اژدہائے زمرد

ایام دو پیپرس کے بعد اس ملک پر قابض ہوگیا۔ پھر تو کوئی ظلم و تعدی ایسی نہ تھی۔ جو پیپرو کے اصلی باشندوں پر روا نہ رکھی گئی ہو۔ اس سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگان خدا اس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے جہاں وہ آخرکار فاقے کر کر کے مر جاتے تھے۔ اور ہزاروں قتل کرلئے جاتے تھے۔ تمام مورخوں کا اتفاق ہے۔ کہ ایسی بیرحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی بہت ضرورت بھی نہ تھی وہ بیچارے اس درجہ ناہموار، بیدل اور ناشائستہ تھے کہ انگریزی فاتحوں کی صورتیں دیکھ کر ٹاپ اور جھپک جھپک کر دیکھکر شرم کے مارے زمین میں گڑ جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا۔ کہ ان کے پڑوس میں رہ سکیں جس قدر انگریزی مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی۔ وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے گئے۔ اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہوگئے۔ اب شاذونادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں تسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر ان سو بیاڑ د قوم تھی۔ یورپ والوں کی ہمسایگی کے باعث بالکل فنا ہوگئی یہاں تک کہ اب ایک متنفس بھی ان کی نسل کا باقی نہیں لیس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے۔ انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیوں کر ٹھہر سکتے تھے۔ تو بجلوہ چوں درآئی اجل از سر ترحم ہمہ جا کند منادی کہ کسے اعتراض نکرد۔ فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی۔ تو یہ ان کی عین دانائی تھی۔ کہ انہوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام بر اعظم ان کے لئے خود بخود خس و خاشاک سے پاک ہوگیا بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک حصے نے علم و ہنر میں اس قدر ترقی کی ہے کہ وہ دوسرے حصے ناپیدا سے جلیس ہے اس قدر آگے بڑھ گیا۔ کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں

رہ نہ تھا جس کو وہ کھیتی نہ ہوئی تھی ہری　　صلح سے بجھا نہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند

(بقیہ نوٹ صفحہ ماسبق) سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے۔ ان ذریعوں کے کام میں لانیکی اب مطلق ضرورت نہیں رہی جس قدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اس سے اضعافاً مضاعفہ اب صنعت و تجارت کے ذریعہ سے خود بخود کھچا چلا جاتا ہے یہانتک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جن میں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہدنامہ تحریر ہو جاتا ہے۔ تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری دوسری گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن　　حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں　　یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں کی لوٹ کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہے۔ کروڑوں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری میکنکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی نان شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ مصیبت پڑی ہے۔ کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کیساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے۔ اسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا یہ پولیٹکل اکونمی کا مسلم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس کے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جس قدر زیادہ طلب ہوتی ہے اسی قدر ان پر کم لاگت آتی ہے اور کم محنت صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کیلئے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی تجارت کرتے ہیں۔ اول تو اوپر والے منافع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر بقدر قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ

خوف تھا دل میں خدا کا اور کچھ بندوں پہ رحم   قتل اور تاراج تھا اک بازیٔ سلطان پہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ماسبق) ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیاء کا نرخ گراں ہونے کے سبب ان کی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے اور جس قدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آرائشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو باوجود کمال نفاست اور لطافت کے نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں۔ صرف ہو جاتا ہے پس ان کو کبھی فارغ البالی اور آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اگر سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں۔ جو اپنے ملک میں فارغ البال سمجھے جاتے ہیں ان کا معاملہ ولایتی دیوان کی زرپاشیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلاش تصور کرتے ہیں۔ اور جن کی تنگی سے ہمیشہ دیوالہ نکل جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کو لوٹنا اور پیسا جیسا تاریکی و جہالت کے زمانے میں تھا اسی کے قریب قریب اب بھی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کیلئے پہلے جبر و تعدی کی ضرورت تھی اب اس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ ان سویلائزڈ دنیا کی دولت سویلائزڈ دنیا کی طرف خود بخود کھنچی چلی جاتی ہے +

تمثیل :- ایک اژدہا شیر کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ بے گناہ مخلوق کا خون پینے کی فکر میں گرفتار رہتا ہے اور شکار کی دھن میں در بدر کے دھاوے کرتا ہے تمام جنگل میں تیری دھاک ہے آج اس ہرن کو پھاڑ ڈالا کل اس بارہ سنگے کے ٹکڑے اڑا دیئے ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے شیر نے کہا کہ قبلہ اگر میری سانس میں ایسی کشش ہوتی کہ دور دور سے جانور خود گھسٹتے ہوئے میرے منہ میں چلے آتے اور میری حرص و آز کی آگ بجھاتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہات رنگین نہ کرتا۔ مع ذلک اگر کہیں آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود دکھائی دیتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی

جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشتِ ویراں تھا یہ ملک

آخر اے دانا حکیموں کچھ سبب اس کا بتاؤ؟ ہے بنی آدم کو کیوں قتلِ بنی آدم کا چاؤ؟
جبکہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت پھر تعجب ہے کہ جبّاری کا ہو اس میں لگاؤ
جبکہ ہے سرچشمۂ مہر و محبت ذاتِ حق پھر منائی جائے کیوں اسکی شریعت لے کے داؤ
کیا یہ زیبا ہے کہ دینِ حق کو اے ابنائے صلیب زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ
یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے ق اور ان باتوں سے جن میں جلوہ الفت کا دکھاؤ
دل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقین ان پر دلاؤ

(بقیہ نوٹ صفحۂ سابق) عین انصاف ہے حالانکہ آجتک پولیٹکل اکونمی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا۔ کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرینِ انصاف ہے۔ یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہوسکتا ہے۔ انگلینڈ کا فایدہ فری ٹریڈ میں ہے اس لئے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اس کو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کو جایز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں سے آجکل دنیا کی دولت کھسیٹی جاتی ہے۔ ان پر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا مشہور ہے۔ کہ حکیم علوی خاں کے زمانہ میں جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا۔ ایک عطار بھی اس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا۔ لوگوں نے اس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا۔ اور یہ کہا کہ حضور۔ مریض آپ کے علاج سے اچھے ہوتے ہیں۔ اور مرتے ہیں۔ اسکے قریب قریب اسکے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں۔ اور مرتے بھی ہیں۔ علوی خاں نے کہا بلے لیکن ما باقاعدہ میکشتیم و آں فرم ساق بے قاعدہ میکشد ۱۲ حالی

راہِ حق کو خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے
گلشنِ دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں بات سے لیکن یہاں نظر — خون ہے استاد[1] اور شاگردوں کا ہدر
راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں — راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر
اور یہی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو — وہ زمانے کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اس میں ذرا — نخلِ شادی آنسوؤں کی نم سے لاتا ہے ثمر
دہر میں سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہ ہو — رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر
بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی — موت ہے در زندگی کا اور الم بابِ ظفر

عشق کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخم کاری کا مزہ پاتے نہیں

اے جلال الدین ہے تو ہی وہ شاہِ نامدار — صلحِ کل جس کی زمانہ میں رہیگی یادگار
سب کو آزادی بھی نوعِ بشر کو تو نے دی — رائے پہ ہر شخص کی ٹھہرا عقیدہ کا مدار
فہم سے بندوں کے بالاتر تھے جو اسرارِ دیں — بحث کرنے کا ملا بندوں کو ان میں اختیار
حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع — تجھ سے القابِ شہنشاہی نے پایا اعتبار
پیرو تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف — ہو گیا ان کا تعصب خود گلے کا ان کے ہار
ثمرہ آخر مل گیا ان کے تعصب کا انہیں — کر گیا رحلت جہاں سے جلد ان کا اقتدار

خار و خس کے ڈھیر میں کھنڈر ہیں ان کے آج ہاں
دولت سے یہ زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں

---

[1] استاد اور شاگرد کی شرح شیخ کے شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

خیر ان کے ذکر سے اب کیجیے قطع نظر — خوبیاں تھیں عہد میں ان کے نہ لیکن اس قدر
امن و راحت۔ اتفاق اور برکتیں انصاف کی — ملک افزائش ہے ہو جن کی بدولت بہرہ ور
اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو — بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص خود جلوہ گر
نعمتیں ہندوستان کو یہ ہوئیں اسلام نصیب — چھا رہی تھی جب کہ یاں ہی دلوں پر سر بسر
امن و راحت کا تصور تک نہ آیا تھا کبھی — جائے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر
دیکھ کر آخر بدی کا دور دورہ تیرگیاں — ہو چکی تھیں یہاں سے رخصت آہ ٹھنڈی کھینچ کر

اس اندھیرے میں اجالا ناگہاں پیدا ہوا
چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا

کیا مرہٹے۔ کیا مغل سادات کیا۔ افغان کیا — عہد میں سب کے رہی یہاں یورش اک بلا
علم و فن جرأت نکوئی مٹ گئیں سب خوبیاں — وہم طوفان بدی اور غضب کا بڑھتا رہا
یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی — بحر بے پایاں ہیں گویا سخت طوفاں تھا بپا
ناخداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش — اور جہاز عافیت تدبیر کے بس میں نہ تھا
اس طرح چھایا ہوا تھا ابر ظلمت چار سو — کوکب امید کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کوندتا بجلی کا تھا گویا کہ جگنوں کی چمک — اک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں
اور جی چھوٹے ہوئے تھا ہر جری اور شہسوار

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے — تب نجات آئی یہاں سات سمندر پار سے
آ کے انگلستان نے طوفان کو للکار کر بس — باز رہ اے فتنہ اپنی گرمیِ رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا یک قلم — ہند کو انہوں نے دی آ کر نجات اغیار سے

اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک تھے | کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ ادوار سے
گو رہے چندے جدا پر مل گئے انجام کو | کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے
اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز اہلِ ہند | (آئینہ اور سنگ دونوں نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوٹے گا یقیں وہموں کی لڑ کاٹے بغیر
دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقہ لاعقل و کوتاہ بیں | تا اپنی گہرائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں
اب ہیولی کو سمجھے منصرمِ کل کائنات | ۲ اتفاقِ دہر پر رکھے نہ بنیادِ یقیں
ورنہ ہم پوچھیں گے اس سے کس طرح اک اتفاق | ۳ یا ہیولی لے گیا مغرب سے تا مشرق زمیں
کچھ جہاز اور چند سوداگر تجارت کے لئے | ۴ تا کہ ہوں پردیسیوں کی طرح واں جا کر مکیں
اور پھر اس کشور آباد پر قابض ہوں وہ | ۵ ایک مدت تک رہا مغلوں کے جو زیرِ نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہلِ رائے
یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہذیانات بیجا ہے یہ بہتر ہے کہ ہم | مان لیں سُر[۱] اور اُسر کی داستان بیش و کم

(بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل) اپنوں سے مراد مغربی آریہ یعنی انگریز اور اعدا سے مراد مسلمان۔ م۔

[۱] سر دیوتا اور اسر راکشش کو کہتے ہیں۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایکبار دیوتاؤں اور راکششوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا فتحیاب ہوئے اور راکشش ہارے۔ راکششوں کو یہ حیران ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں۔ پھر کیوں ان سے مغلوب ہو گئے۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس علم یعنی منتروں کی طاقت ہے۔ راکششوں نے ان کے منتر اور کتابیں چرا لیں اور ایک راکشس سنکھا سر نام ان سب کو لیکر سمندر میں غائب ہو گیا۔ ایشور نے جو یہ حال دیکھا تو خود مچھلی کا روپ دھر کر سنکھا سُر

گو کہ افسانہ ہے لیکن دہریوں کے قول سے ہمیں کچھ باتیں زیادہ دل نشیں پاتے ہیں ہم
اہل انگلستان کا آنا سمندر پار سے ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
زندگی جو اس سے اہل ہند کو حاصل ہوئی ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم

(بقیہ نوٹ صفحہ سابق) کو سمندر میں جا کر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال دیئے ایشور جی کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں ان کو نکالنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں۔ میری پیٹھ پر رائی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھ دینا۔ اور تسمہ کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کوہ ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اس کے دونوں سر اور اسر اس طرح سے پکڑیں کہ سانپ کے منہ کی طرف سے سروں کے اور دم کی طرف سے اسروں کے ہاتھ میں رہے۔ اور اس طرح سمندر کو بلو ڈالیں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ سمندر میں سے چودہ رتن یعنی لچھمی جواہر شراب۔ دھنتر بید۔ چاند۔ گئو۔ گھوڑا سفید ہاتھی تیر کمان۔ امرت بس وغیرہ برآمد ہوئے۔ امرت پر سروں اور اسروں کی باہم تکرار ہوگئی انہوں نے کہا ہم لیں انہوں نے کہا ہم لیں۔ ایشر ایک حسین عورت کا روپ بھر کر ان پر ظاہر ہوئے۔ دیوتا اور راکشس دونوں اس کی صورت پر فریفتہ ہوگئے۔ اور آپس میں یہ بات قرار دی۔ کہ یہ عورت جس کو جو کچھ دے وہ اس کو خوشی سے لے لے۔ چنانچہ اس عورت یعنی ایشر نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی۔ اور باقی تمام رتن دونوں فریق پر تقسیم کر دیئے۔ امرت سروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اٹھا کر پی گیا۔ دیوتاؤں میں سے ایک نے اس کا سر اڑا دیا۔ لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا۔ شیو جی یعنی مہادیو جی نے کہا لاؤ اس کو میں کھا جاؤں۔ وہ اس کو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنی حلق میں رکھ لیا جس کے سبب سے ان کا گلا نیلا پڑ گیا۔ شاعر اس بند میں قصہ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس قصہ کا مصداق ہے گویا انگریز مثل

اب ہاں وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا تھا یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے باطل کے سم
جس سے ہوگی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود ۲ اور رہینگے ہاتفانِ غیب گونگے یک قلم

جو مٹائے جائینگے باطل کی ظلمت کے نشاں
صبح صادق کی ہوگی روشنی جبتک عیاں

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی — اس کو امرِ اتفاقی جانتا ہے ہر کسی
یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف میں — تجربے کی عقل کی۔ تدبیر و جرأت کی کمی
ہاں مگر تقدیر پہ ہے جبکہ ہر شے کا مدار — چاہیئے کہنا کہ تقدیر الٰہی تھی یہی
اکبر و شاہجہاں کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا — سلطنت کی جو لیاقت چاہیئے وہ ان میں تھی
دھاک بادشاہ کی بھی کم نہ تھی شیر سے کچھ — فتح ان کی پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی
آج یہ صوبہ پھرا - کل ملک تھا باغی ہو گیا — عہد میں سب کے یہی نقشہ یہی صورت رہی

۱ یعنی نو صفحہ ۱ سبق ۲ دیوتاؤں کے ہیں۔ جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہندوستان کے لٹیروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے۔ اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے - یہ گویا سمندر کا بلونا تھا۔ اور ان کی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا۔ اور جس زہر سے مہادیو کا حلق جل گیا تھا یا نیلا پڑ گیا تھا اس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اسی طرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور ان کی طرزِ حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائیں گے اور ان کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائینگی اور جبتک کہ ہندوستان میں صبح صادق علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی یہ ...

دور تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک در پہ سب کے خم
ہند کی فوجیں ہوں ساری زیرِ سلطانی علم

راجہ پراجہ اشوکا کی ہیں وہ لاٹھیں گواہ | جن پہ فرماں اس کے اب تک ثبت ہیں بے اشتباہ
ہند میں از بسکہ جو لاٹھیں گڑی ہیں دور دور | ہے ہویدا ان سے اسکی وسعتِ تمکین و جاہ
پرستان فتح جو اول ہوا اسی میں گڑا | اور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اسکی کلاہ
مدتیں گزریں کہ وہ اترے سے کرتا دکن | کر چکا ہے حد سے ان لاٹھوں کی گر قطع راہ
یورپ اور پچھم میں بھی ڈالا ہے اس نے دور دور | سایہ عدل و نکوئی پہ تو امن و رفاہ
ہم نے یہ مانا کہ پتھر پہ ہیں جو کندہ حروف | وہ ہیں سنگ منقش اس پہ ہزاروں سال آہ

نام ہے وکٹوریہ کا ان سے بڑھ کر پائدار
نقش ہر اک صفحۂ دل پہ ہے جس کا استوار

مشرقی تاج آج تک تھا پیشِ ربُ المنن | اک امانت جس سے محروم تھا نہ فرق مرد و زن
قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ | مر گئے اس کی تمنا میں سلاطینِ زمن
ہاں مگر اے فخرِ شاہانِ جہاں وکٹوریا | تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اس کی لگن
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایہ تاج | اس سے کہہ دو لائق حلوا نہیں ہے ہر دہن
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہزادے ہیں مگر | اوجِ برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ہاں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب | اور شاہاں کو ایسی بیٹی اور نہ دولہا کو دلہن

نیک نیت پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں
رنج سہنے کے لئے ایسے جگر ہوتے نہیں

وہ جزیرہ جو کہ دنیائے بحر پہ ہے مثلِ خال | دھوپ کا اور روشنی کا جسکی ہر جا ہے کال

جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثار قدرت ناپدید — کچھ نہیں آتا نظر جز ذات رب ذو الجلال
یعنی انگلستان ہے جسکی حقیقت اس قدر — شاید اس کے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال
کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے — سرزمین ہند پہ ہے جسکی وسعت کا یہ حال
اس سے کہدو خون بہے اولاد کا جسکی جہاں — آب باراں کی طرح اور ہو کے وہ بہ ہو جائیں لال
جس کے بیٹے اور بھانجے بھتیجے لاکھوں شجاع — جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئے ہیں پائمال

مفت اپنے ہاتھوں سے کھو دیتا رہا ہو کس طرح
خون بہا ان سورماؤں کا ادا ہو کس طرح

اور سب جانے دو کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں — یا فتوحات نمایاں لائق وقعت نہیں؟
پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی تحسین کیا — دوش پر اک قوم کے سرمایہ عزت نہیں؟
واسطے اولاد کے میراث جس کو چھوڑ جائیں — اس قدر بھی دولت عزت میں کیا برکت نہیں
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز اسکی روح کو — جسم خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ سبقت نہیں
بحث کرنی اس سے لاحاصل ہی سمجھا ہے — تجھ کو انگلستان کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں
ناحق ایسے شخص کے کہنے کا غم مانو بڑا — جسکی فطرت میں کہ حیوانوں سے کم خسّت نہیں

ننگ ہے ذلت ہے نہ کچھ پروائے عزت ہے جسے
ہر مذلت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جرأتیں سپارٹا سے یہ نہ ہوتیں آشکار — گر بزرگوں کی ہمتیں واں نہ ہوتیں یادگار
جب بڑوں کے اپنے ساکے یاد آتے تھے انہیں — آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار
سورماں تھرموپلی کا نام سن پاتے ہیں جب — جوش میں آتے ہیں کیا کیا ان کے دل بے اختیار
آئے ہیں اس معرکہ میں کام جو شیر جری — نسل میں ان کی وہی عزت رہے گی برقرار

جو کہ دہلی یا اسمائی میں ہوئے ہیں فتحیاب ق ہموطن بھائی ہوں انکے یا عزیز و دوستدار
جی چرائینگے نہ سرگرم جان دینے سے کہیں فی المثل گردن کٹی طاقت سے بھی ہونگے دوچار

تاکہ فتح دہلی و فتح اسمائی کا شرف
قوم میں باقی رہے گو اپنی جانیں ہوں تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتاب اولیں جس نے ڈالی تھی لشکر کی ذات بین بنیاد کیں
تفرقہ نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور تھی پڑی جس وقت بن بوئی جتی ساری زمیں
کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر ہو وہی پہلا عتاب انسان پر نازل کہیں
قومیں آپس میں بہت رکھتی ہیں یاں جو میل جول ان کی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دوربیں
ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہے سدا گر نہو تو ایک دن ہو جائے گی وہ بالیقیں
قوت اور امن و خوشی ہیں ثمرہائے اتفاق ثمرۂ نا اتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

نوع انساں میں بدی سے جو کہ پھیلا تھا نفاق
کرتا جاتا ہے زمانہ اس میں پیدا اتفاق

ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آج کل بونٹے کی اصل کیا دیووں کا ہو جب جا خلل
اک ذرا سی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اسکا تمام دیو کی جنبش ہے اسکے حق میں پیغام اجل
ہے گر انگلستان کا ساری رعیت ملکے ساتھ تنگ ہو جائے عدو پر عرصہ جنگ و جدل
ورنہ وہ ملت کہ جو دور اعظم پہ ہے آج ق سایہ افگن صورت نخل تناور فی المثل
کیا تعجب ہے کہ اسکا سایہ دور و دراز رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل

؎ یہ ویلس کی طرف اشارہ ہے انگلینڈ کو بونے سے اور ویلس کو دیو سے تشبیہ دی ہے ۱۲

سامنے اس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال　　جیسے اک پانستیا آجائے پیش مریل

وقت پر سب ملکے گر اس کا نہ دینگے ساتھ یہاں

اک طرف ہو جائیگا پلہ ترازو کا گراں

نوع انساں کو ملی ہے جب کہ عقل نا تمام　　پھر حماقت ہے کیجیے آج کل کا اہتمام

بات جو کل ہو چکی اس کی بھی حسرت ہے عبث　　بیٹھتے ہیں آج اس لئے ہر حال میں ہم شادکام

جبکہ اک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم　　دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہمکو کام

کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کی طرف　　کر چکے ہیں قطع تھے یہاں پر خطر جتنے مقام

آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب　　خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام

جب بلندی پر سے دیکھیں جھک کے اپنی پشت پر　　شکر حق لائیں بجا اور تحیت کو بھیجیں سلام

جو خوشی دی ہے خدا نے اس سے جی ٹھنڈا کریں

یاد غمہائے گذشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا　　جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا

اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک [1]　　اور آزادی نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا

کمالات وجود کے اور قاعدوں سے ہے معمور سب　　پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما

سر پہ وہ تاج ہمایوں ہند کے رکھے گئے　　واجبی حق الغرض مدت کے بعد اس کو ملا

---

[1] یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے۔ گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں۔ اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں۔

برخلاف اس ملک کے جو ڈھک رہا ہے برف سے ق ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا

بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں جو نہیں چیر کے ۲ تا کہ جو مل جائے واں آوارۂ دشت بلا

کر کے چھوڑیں اس کو ایسا بے کس و بے خانماں

۳ حشر تک پیاسے رہیں فرقت میں اسکی تہ خواب

یارب ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار	ہے موافق اسکی وسعت کے رعیت کا شمار
فرض کیجئے کل بنی آدم کے چھ حصے اگر	ایک حصہ اس میں اہل ہند پائیں گے قرار
ہے یقیں مقدار اسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ	کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا یہاں بار
زندگی کی ریت اب ٹھہرے گی شیشے میں سوا	پیشتر جیسے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار
اس قدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو	ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہیے	بڑھنے پائے گا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

۱ یہ روس کے ویران اور غیر آباد ملک کی طرف اشارہ ہے ۱۲

۲ اس خیال سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں حشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لئے یہ امید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت سیاحت اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائے اسی قدر یہاں کے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائیں گے۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھہرے گی۔ اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے۔ اوپر کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہندوؤں کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کیلئے کافی نہ ہو اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوک سے مرنے لگیں اس اندیشہ کو وہ اس طرح دفع کرتا ہے۔ کہ جیسے قحط سالیوں میں

یاد رکھ اے منکرِ حق ہے یقیں اصلِ نجات
وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی ہے یہاں — لاکھوں جانداروں کے رہنے کو غلیچہ اک جہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا انھیں، — کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و ناں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دو اسے — تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہے اگر غلبہ کا کثرت پر رعایا کی مدار — تو نہ ہو سکتا ہے آدھی ایشیا پر حکمراں،
کچھ بھی ہمت ہو اگر اس میں تو پھر ممکن نہیں — آنکھ اٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستان
بلکہ جو دے لے جائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ — اور لگاتا جائے عہد میں تیر کی اپنا نشاں

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کٹے جائے بسر
عزت و آزادی و بزرگی و آبرو سے اپنے گھر

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس قدر[1] — ہوں یہیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
ایسے سلطان بلند اقبال فرخ فال کو — اور پھر کیا چاہیے کچھ بھی قناعت ہو اگر

ل؎ بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) لوگ بھوک کے مرتے رہیں گے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائیگی۔ اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی۔ گویا بھوک سے مرنے کا علاج بھوک ہی بنتا ہے ۱۲

ل؎ غلبہ کا مدار کثرت رعایا پر نہیں ہے۔ بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات تہہ نشین ہونی چاہیئے۔ کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں۔ اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لئے حکومت کی جاتی ہے۔ جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہ ہو۔ کیونکر امید کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ سلطنت کی جاں نثار رہے گی ۱۲

ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسر کشمیر آج | یا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں زرخیز تر
شہر ہے جو مرکز کشمیر مانند طلسم | طرفہ کیفیت سے ہے لہروں کے قُل کی جلوہ گر
دیکھتے ہیں آب صافی میں جب اسکا انعکاس | دوسرا ویسا ہی نقشہ صاف آتا ہے نظر
باغ شالامار جو ہے نو قرلہ اسکے پاس | ہے وہ اک نیرنگ قدرت کا تماشا سربسر

سبزہ و نسرین و گل کی سرزمیں کہیئے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلد بریں کہیے اسے

فی المثل تختہ زمرد کا ہے وہاں اک سبزہ زار | سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اس پر چنار
جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر | زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغ نسیم | باغ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں | جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
ان کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا | سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائینگے پار
روز روشن میں جب ان کا جھیل پڑتا ہی عکس | نقرئی پانی کے اس کی پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف
(سامنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف)

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں | تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے | ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہر مکیں
ان مکانوں اور دیہاتوں سے جب آگے بڑھے | پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

(۱) مرکز کشمیر سے مراد شہر سری نگر ہے +

جیسے ہوتا ہے ابد پہ وقت جا کر منتہی — ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں
یعنی اقلیم ابد اور جہان خامشی — طاقت انساں کی جلتے ہیں پرے واں تو نہیں
طرفہ سناٹا ہے اس سنسان کوہستان پر — جسکی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دل نشیں

ہیں سراسر ناپدید آثار انسانی یہاں
منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرار یزدانی یہاں

ڈھونڈیئے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال — ظاہرا ان کا اور انگلستان کا ہے ایک حال
جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ — وہ بھی پستی سے یونہیں پہنچا ہے تا اوج کمال
بے یقیں رستے ہی میں سمجھا ہے کام ان کا تمام — جو نہیں اسکی بلندی تک پہنچنے کا خیال
تاپتی پر آ کے انگریزوں نے جب کھولی دکان — ایک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال
یعنی اس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گہرا انگار ق — اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خوں میں لال
لشکر مقدونیہ کی قتل گاہوں پر ہوا ۲ — بعد مدت گرم پھر ہنگامۂ جنگ و جدال

اہل انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنے کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی سوا — آگ بھڑکی مرگ کی اور خون کا دریا بہا
عورتیں اور ان کے بچے بے گنہ مارے گئے — گھر جلے اور دشمن جاں ہو گئے خود دست و پا
بھائی بندوں کی جدائی سے نہ کیونکر غمگیں ہوئے — اہل انگلستان کے ساتھی تھے جو اصل وفا
اور ہزاروں نے یہ باندھا دل کے منصوبہ لبس — عزت انگلستان کی اب خاک میں دیجئے ملا
مختصر یہ ہے کہ نام ان کا شاہ کے سنے — ہو گیا بیزار جان و دل سے ہر [illegible]
لیکن ان کی [illegible] میں تھا [illegible] — کھینچ کر [illegible] اہل [illegible]

پلہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اسکے نشاں

گو ہوئی دلی پہ حاصل برملا فتح و ظفر   پرچم اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر
پر نہ اس فتح نمایاں کا ہوا اعلان کچھ   جو سوال سے دل رہے سب اس لئے زیر و زبر
چونک چونک اٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ   کر گئی دنیا سے گویا فارغ البالی سفر
صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ   شکلیں ہیبت ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر
رائے یہ ٹھہری کہ پلٹے اب وہ قیصر کا لقب   تابع فرماں ہیں جس فرماں روا کے بحر و بر
قوت بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے   وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اسکے فرق پر

تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا
عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اس نوید صبح پرور کی اشاعت کے لئے   ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے
البیرٹ اڈورڈ جس کے دودہ اقبال میں   سو جلیل القدر سلطان اب سے پہلے ہو چکے
جس کے دادا نے کیا زیر و زبر نظم فرانس ق   اور بناتا ہے لقب جس کا پتے اس جنگ کے
وہی فرانسیسوں کو جس میں زک دی انگلستان نے ۲   جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے
حاکم بوہیمیا کی چھین لی تھی جس میں ڈھال ۳   جو ولی عہد زماں تھے یاوری اقبال سے
جس پہ لکھے اعتراف بندگی کے برملا ۴   حاکم بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذات والا میں فضائل اس قدر
وہ ہوا مامور اس کار عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لیکر تا عدن   اُس کے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن

راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارکباد کے ‏ ‏ جوش شادی میں دو دو نوبت تک تھے نوبزن

شہر میں جنگل میں ہر میدان اور ہر راہ میں ‏ ‏ جمع تھی اس کے لیے خلق انجمن در انجمن

وہ سہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی ‏ ‏ پڑ رہی ہے جھنجھنی گویا کان میں اب تک بھرن

کھنچ چکے ہیں اس ہمایوں جشن کے نقشے بہت ‏ ‏ میں بھی اے وکٹوریا اے فخر شاہان زمن

چاہتا ہوں کھینچنا خاکہ اک اس دربار کا ‏ ‏ جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیب بدن

جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے
جو کہا تھا منہ سے آخر کر دکھایا قوم نے

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا / سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزت یا میں / تو ہے انسان کی دولت یا میں
ہے زمانہ میں بڑی بات تری / دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے سن کے یہ دولت نے کہا / تجھ کو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب جس کو خدائی مانے / اس کی تو خوبیوں میں شک جانے
سیر گلشن دنیا مجھ سے / لیتے ہیں توشۂ عقبیٰ مجھ سے
نام اقبال ہے آنے کا مرے / لقب ادبار ہے جانے کا مرے
مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو ونما / علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال / لاکھ رکھتا ہو کوئی حسن جمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں مگر / میں نہ ہوں تو نہیں کچھ قدر بشر
چند روز آ گئی میں جس کے کام / زندہ تا حشر رہا اس کا نام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا / وہ سدا خوار و نگوں سار رہا
مونھ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں / اس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں
چاہتے ہیں مجھے سب خرد و کلاں / پھرتے ہیں دھن میں مری پیر و جواں
گر نہ ہوں میں تو کام نہ ہو / کسی آغاز کا انجام نہ ہو
کوئی حاجت نہ ہو دنیا کی روا / درمیاں گر نہ قدم ہو میرا

ہیں کمائی سے مری سب لعل زاں — میرے اخلاص سے دُر ملے جو تو
جس سے دنیا میں نہ ہیں کہ کروں — ہوا اگر سیر تو ردیا دکروں
الغرض ہے مری وہ شانِ عظیم — کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جو سمجھتے ہیں خوشی کی مجھکو — میری عظمت نہیں یاد تجھکو
تو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا — جس نے تجھ سے تجھے گمراہ کیا

وقت نے جن کے کہا اے دولت — شک نہیں اس میں تو اے دولت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے مگر — اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھکو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی — اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
کیجئے فرض تجھے گر چشمہ — تو ہوں اُس چشمہ کا میں سرچشمہ
میں ہوں یا تو ہے اساس امکان — پہلے دریا ہے کہ مچھلی نادان
تو جو کھیتی ہے تو رقبہ میں ہوں — تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
ہے قرابہ ترا گر عطر آگیں — میں ہوں اس عطر کی اندوتیں
ہے عبث تجھ کو تفوق کا خیال — تو ہے گر مال تو میں راس المال
جن کے قبضہ میں ہوں میں ہے وہ لیت — تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دست قدرت
لاکھ بار ان سے اگر بھاگے تو — بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو
ان کی مٹھی میں ہے تو اے دولت — طائر رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود — جس کا نایاب ہے عالم میں وجود
کھو کے مجھکو کوئی پاتا نہیں پھر — جا کے میں ہات سے آتا نہیں پھر

پل پل میری اگر دیکھئے گنوا | لیجئے ہات اس سے ہمیشہ کو اٹھا
تو اگر اپنی لٹا دے ثروت | پل وہ ملتی نہیں پھر اے دولت
ہیں اسی واسطے جو اہل تمیز | میری ایک ایک پل ہے ان کو عزیز
میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس | سے مر جاتے سوتے نہیں پاس
جانتے ہیں حکماء و عرفا | مجھ کو سرمایہ دین و دنیا
دل میں جن کے مری کچھ قدر نہیں | ان کی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دیں
نہ کوئی کام ہو ان سے انجام | نہ ارادہ ہو کوئی ان کا تمام
نہ انہیں دین کی دولت ہات آئے | اور نہ دنیا کبھی اُن سے پٹنائے
نہ ادا صوم ہو ان سے نہ صلوٰۃ | نہ ہو قدرت میں حج ان کی نہ زکوٰۃ
نہ ہو ان سے کچھ اپنی کی جائے | نہ خبر ان سے کسی کی لی جائے
گو تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت | ہے مگر تنگ مجال فرصت
بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو | بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری ایک اک آن

تمت

ولادت اور خاندان

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالیؔ جنہوں نے اردو شاعری کے مردہ جسم میں نئی جان ڈالی۔ اور جو اس صدی کے مسلم الثبوت اردو شاعروں میں سے ہی نہیں نہیں بلکہ انکا شمار حکماء معلمین اخلاق اور مصلحین اقوام میں ہے جن کا درجہ شاعروں سے بہت بالا ہے۔ اور جنکو بجا طور پر سعدی ہند کا لقب دیا گیا ہے سب سے پہلے اردو شاعر ہیں جنہوں نے شاعری کو گل و بلبل کے فسانوں اور ہجر و وصال کے جھگڑوں سے نکالکر اخلاقی ناصحانہ ادبی اور فلسفیانہ شاعری کی بنیاد ڈالی۔ اور جن کی نظمیں ہندوستان میں آج بچہ بچہ کی زبان پر ہیں۔ ہندوستان کے مشہور تاریخی مقام پانی پت میں سنہ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا۔

غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں قوم انصار کے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام ہرات سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اور سلطان بلبن چونکہ قدیم شریف خاندانوں کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے پرگنہ پانی پت میں چند مواضعات اور سیر حاصل دیہات اور معتدبہ اراضی سواد قصبہ میں جاگیر کے طور پر عنایت کردی۔ اور منصب قضاۃ صدارت و تشخیص نرخ بازار اور ان ائمہ کے مزارات کی تولیت جو پانی پت کے مضافات میں ہیں اور خطابت عیدین ان کے متعلق کردی۔ پانی پت میں جو ابتک ایک محلہ انصاریوں کا

مشہور ہے کہ وہ اپنی بزرگ کی اولاد سے منسوب ہیں۔ اور مولانا حالی باپ کی طرف سے اسی
شاخ انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر آپکی والدہ سادات کے اس معزز گھرانے کی بیٹی
تھیں۔ جو پانی پت میں سادات شہداپور کے نام سے مشہور ہیں۔

تعلیم

مولانا کی تعلیم وتربیت باقاعدہ نہیں ہوئی جسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ ولادت
کے بعد ہی آپکی والدہ کا دماغ مختل ہو گیا اور آپ نو برس کے ہوئے۔ تو آپکے
والد بھی انتقال فرما گئے اور صرف بھائی بہن سرپرست ہوگئے۔ جنہوں نے اول آپکو
قرآن شریف حفظ کرایا اسکے بعد گو دلی شوق تھا۔ مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا موقع
مولانا کو نہ ملا۔ ایک بزرگ سید جعفر علی (مرحوم) جو میر ممنون دہلوی کے بھتیجے تھے۔ اس
وقت پانی پت میں رشتہ داری کے سبب سے مقیم تھے۔ جو فارسی ادب اور تاریخ و طب
میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان سے فارسی کی دو چار ابتدائی کتابیں پڑھیں جس سے
فارسی ادب کیساتھ آپ کو ایک گونہ مناسبت پیدا ہوگئی۔ پھر عربی کا شوق ہوا۔
انہیں دنوں میں مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم لکھنؤ سے امامت کی سند
لیکر آئے تھے۔ ان سے صرف ونحو پڑھی اس کے چند روز بعد بھائی بہن نے شادی
کرنے پر مجبور کیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سترہ برس کی تھی۔ شادی کے بعد آپ
کو سب نے اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ ملازمت تلاش کریں۔ مگر تعلیم کا شوق غالب تھا
اور سسرال آسودہ حال تھے اس لئے چپکے سے نکل کر آپ دہلی پہنچے۔ اور وہاں مشہور
واعظ و مدرس مولوی نوازش علی (مرحوم) سے صرف ونحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں
اس زمانہ میں قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا۔ مگر چونکہ مولانا کی زندگی ایسے لوگوں کی
سوسائٹی میں بسر ہوئی تھی۔ جو علوم کو عربی اور فارسی میں منحصر سمجھتے تھے اور انگریزی

کو صرف ملازمت کا ذریعہ خیال کرتے تھے اس لئے ان تمام عرصہ میں مولانا کو [illegible] کی تعلیم و تعلم کا خیال تو ایک طرف رہا کالج والوں سے آپکو ملنے تک کی نوبت نہیں آئی۔

دہلی میں آپ نے شرح سلم ملا حسن اور میبذی پڑھی شروع کی تھی۔ کہ عزیز واقارب نے بواپسی وطن پر مجبور کیا۔ یہ ذکر سنہ ۱۸۵۵ء کا ہے وطن میں آکر آپ ڈیڑھ برس تک بطور خود کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے سنہ ۱۸۵۶ء میں آپ ایک قلیل تنخواہ کی اسامی پر حصار چلے گئے۔ جہاں سے دوسرے سال ہی غدر کے باعث وطن واپس آئے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد چار سال اور بیکاری ہی میں گذرے۔ اور اس زمانہ میں آپ نے پانی پت کے مشہور فضلا مولوی عبدالرحمن مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی مرحوم سے بغیر کسی ترتیب اور نظام کے کبھی منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں کبھی تفسیر اور حدیث کا درس لیا۔ اور جب ان صاحبوں میں سے کوئی پانی پت میں نہ ہوتا تھا۔ تو خود بغیر پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ خاصکر علم ادب کی کتابیں شروح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی عربی نظم و نثر بھی بغیر کسی کی اصلاح یا مشورے کے لکھا کرتے تھے۔

ملازمت آپ کے والد ماجد خواجہ ایزد بخش مرحوم اگرچہ محکمہ کسٹم میں ملازم تھے مگر مولانا کو ملازمت حاصل کرنیکا اتفاق اس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں ایک قلیل تنخواہ کی اسامی صاحب کلکٹر کے دفتر میں ملگئی تھی مگر سنہ ۱۸۵۷ء میں جب بغاوت کا فتنہ برپا ہوا۔ اور حصار بھی اسکی زد سے نہ بچا۔ تو آپ پانی پت چلے آئے۔ جہاں مدت تک بیکار رہے۔ کچھ مدت کے بعد پنجاب گورنمنٹ بکڈپو لاہور میں آپکو ایک اسامی ملگئی جس میں انہیں کتب انگریزی کے تراجم کی درستی و اصلاح کی خدمت چار برس تک انجام دینی

پرنسپل کو نہایت خوش اسلوبی کیساتھ آپ نے نباہا جسکے بعد آپ اینگلو عربک سکول دہلی
کی مدرسی پر بدل گئے۔ جہاں ۱۳۰۴ھ تک مدرسی کرتے رہے۔ اثنا مدرسی میں آپ لاہور کے
چیفس کالج میں آٹھ مہینے تک بطور اتالیق تشریف فرما رہے۔ مگر چونکہ یہ اسامی آپ کے
مذاق کے موافق نہ تھی اس لئے واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔ سنہ ۱۳۰۵ھ میں نواب سر آسمان جاہ
بہادر مرحوم مدار المہام حیدر آباد دکن علی گڈھ کالج کے ملاحظہ کیلئے تشریف لائے تو مولانا
بھی وہیں موجود تھے۔ چنانچہ نواب صاحب ممدوح سے باریابی ہونے پر بصیغہ امداد
مصنفین مولانا کا پچھتر روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ اور سنہ ۱۳۰۱ھ میں جب آپ
سر سید مرحوم کے ہمراہ علیگڈھ کالج میں حیدر آباد تشریف لیگئے تو وظیفہ میں پچیس روپے
ماہوار کا اضافہ منظور ہونے پر واپسی میں اینگلو عربک سکول کی مدرسی سے قطع تعلق کر
لیا۔ اور یہ وظیفہ آپکو تا حین حیات ملتا رہا۔

شاعری

بسلسلہ تحصیل علم دہلی میں قیام رہا تو مرزا اسد اللہ خاں غالب کی خدمت میں اکثر
مولانا حاضر ہوتے تھے اور غالب مغفور سے ان کے اردو اور فارسی دیوان کے مشکل اشعار کے معنی
پوچھتے رہے بلکہ فارسی دیوان کے چند قصیدے باقاعدہ طور پر بھی استاد مرحوم سے پڑھے۔ اسی زمانہ میں
مولانا کو شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ اور اردو یا فارسی کی ایک آدھ غزل لکھکر استاد کو دکھائی۔
استاد غالب کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکر شعر سے منع کیا کرتے تھے مگر مولانا کے
اشعار دیکھکر انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ میں کسی کو شعر کہنے کی صلاح نہیں دیا کرتا۔ مگر میرا خیال ہے
کہ اگر تم شعر نہ کہو گے۔ تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔ مگر استاد کے اس تاکیدی ایما کے
باوجود بھی مولانا کو دوران قیام دہلی میں ایک دو غزل سے زیادہ لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔
لیکن غدر کے بعد کئی برس پانی پت میں بیکاری میں گذر گئے۔ اور فکر معاش نے گھر سے نکلنے

پر مجبور کیا۔ تو حسن اتفاق سے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم جہانگیر آباد سے آپکی شناسائی ہوگئی۔
اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحب آپ ان کے ساتھ رہے۔ نواب مرحوم شاعری کا
اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے۔ اور فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے وہ
جس درجہ کے فارسی اور اردو شاعر تھے اس سے بہت زیادہ ان میں سخن فہمی کا مذاق تھا۔ نواب
صاحب ابتدا میں اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خاں کو دکھایا کرتے تھے۔ مگر ان کے مرنے
کے بعد آپ مرزا غالب سے اصلاح سخن کرنے لگے تھے۔ اور اس صحبت کے حالات نے مولانا
کے پرانے شعر و سخن کے شوق کو جو مدت سے افسردہ ہو گیا تھا تازہ کر دیا۔ اور انکی صحبت نے مولانا
کا طبعی میلان بھی جو اب تک گونا گوں موانعات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا ابھر
اٹھا۔ اس زمانہ میں مولانا نے متعدد غزلیں اردو اور فارسی میں لکھیں۔ اور نواب صاحب مرحوم کے
کلام کے ساتھ ہی اپنا کلام بھی جہانگیر آباد سے مرزا غالب کے پاس مشورہ کیلئے بھیجتے رہے
مگر مولانا کو جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں مرزا صاحب کے مشورہ و اصلاح سے چنداں فائدہ نہیں ہوا
بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا۔ وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا۔

نواب شیفتہ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو کی ملازمت کے زمانہ میں جبکہ
مولانا کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ کتابوں کو درست کرنا پڑتا تھا انگریزی خیالات
اور انگریزی علم ادب کیساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی چنانچہ اس سے پیشتر جو آپکی
شاعری میں وہی پرانا ایشیائی رنگ تھا وہ مغربی لٹریچر پر غور کرنے سے بالکل بدل گیا
اور آپکی شاعری کا بالکل جدید طرز ہو گیا اسی زمانہ میں کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر صیغہ تعلیم
پنجاب کے ایما سے مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے اپنے پرانے ارادے کو پورا کیا یعنی
۱۸۷۴ء میں ایک مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا

جلسے میں بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا کہ اس
مضمون پر اپنے خیالات جسطرح چاہیں نظم میں ظاہر کریں مولانا نے بھی ان مشاعروں
میں اپنی جدت طرازی کے نمونے دکھائے چنانچہ برکھا رت۔ نشاط امید مناظرہ رحم و انصاف
اور حب وطن اسی بزم کی یادگار ہیں جو بار بار چھپکر شایع ہو چکی ہیں۔

اینگلو عربک سکول کی مدرسی کے زمانہ میں سر سید احمد خان صاحب مرحوم نے مولانا کو ترغیب
دلائی کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی و تنزل کی حالت اگر نظم میں بیان کیجائے تو مفید ہوگی چنانچہ
آپنے اول مسدس مد و جزر اسلام لکھا جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے اسکے
بعد کئی اور نظمیں جو بار بار چھپکر شایع ہو چکی ہیں لکھیں۔ مگر ملک کے طول و عرض میں جس قدر و
شوق اور دلچسپی کیساتھ اس مسدس کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور حقیقی شہرت اسے حاصل ہوئی ہے
وہ اپنی نظیر آپ ہے سال تصنیف ۱۸۷۹ء سے لیکر آجتک اسکے پچاسوں ایڈیشن مختلف مطابع
سے چھپکر شایع ہو چکے ہیں مگر اسکی اشاعت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اسکی ہر دلعزیزی اور
مقبولیت روز افزوں ترقی پر ہے۔

تصانیف

سب سے پہلے دوران قیام دہلی میں جبکہ آپ مولوی نوازش علی مرحوم کے آگے زانوئے
تلمذ تہ کر رہے تھے آپنے ایک عربی رسالہ تصنیف کیا تھا جو ایک منطقی مسئلہ میں نواب صدیق حسن خان
بہادر مرحوم کی تائید میں تھا مگر چونکہ استاد مرحوم ایک متقلد عالم تھے مولانا کے مسودہ کو پڑھکر
ناراض ہوئے بلکہ اسکو چاک کر دیا اور فرمایا کہ رسالہ اگرچہ نہایت لیاقت سے لکھا گیا تھا۔
مگر چونکہ ایک وہابی (غیر مقلد) کی تائید میں تھا۔ اسلیے چاک کر دیا گیا۔ مولانا حالی بھی نسبا حنفی
ہی تھے۔ مگر یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ بے تعصب۔ بلند خیال اور انصاف پسند حنفی تھے
جس کا ہمارے علماء کرام میں ہمیشہ سے قحط الرجال رہا ہے اور ہے۔

سب سے پہلی کتاب جو مولانا کی طبع ہوئی وہ تریاق مسموم ہے جس کو آپ نے
میں پادری عماد الدین کی کتاب ہدایت المسلمین کے جواب میں لکھا تھا مذہبی مناظرہ کی یہ
کتاب ملک بھر میں نہایت مقبول ہوئی۔ مگر نایاب ہے اور اسکا کوئی نسخہ میرے
دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کے بعد مولانا نے ایک رسالہ پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی پر
منصفانہ رائے کے نام سے لکھا جس میں آنحضرت صلعم کے متعلق فلسفی اور غیر متعصب
یورپین فضلا اور پادریوں کی آرا کا مقابلہ نہایت خوبی سے کیا گیا ہے۔ مگر اب نایاب ہے
رقعات نواب مصطفی خان شیفتہ کو بھی مولانا نے ترتیب دیا۔

لاہور میں طبقات الارض کے فن کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی سے اردو میں کیا یہ
کتاب اصل میں ایک فرنچ عالم کی تصنیف تھی جسکا عربی میں ترجمہ ایک مصری فاضل نے
کیا تھا۔ مولانا نے اس ترجمہ کا کاپی رائٹ بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دیا جسکو
ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی نے اسی زمانہ میں یونیورسٹی کی طرف سے چھپوا کر شایع کیا
اسی زمانہ میں مجالس النسا ایک کتاب عورتوں کی تعلیم کے لیے قصے کے پیرایہ میں مولانا
نے لکھی اس کتاب پر کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے دہلی میں ایک ایجوکیشنل دربار
کے موقع پر لارڈ نارتھ بروک وائسرائے ہند کے ہاتھ سے چار سو روپے کا نقد انعام دلوایا
یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور ایک مدت تک اودھ اور پنجاب کے مدارس نسواں
میں جاری رہی ہے۔ اور شاید اب بھی کہیں ہو۔
مسدس حالی جو آپکے قومی احساس اور درد ملت کا بہترین نمونہ ہے ۱۸۷۹ء میں لکھی
گئی جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت نے مولانا حالی کو پیدا ہی اس مسدس
کے لکھنے کیلئے کیا تھا۔ مولانا محمد حکیم ناصر خسرو علوی **خلجی** ۱۸۹۲ء میں لکھی۔ جو اعلیٰ

تصانیف میں سے ہے۔ اور جس کیساتھ حکیم موصوف کا سفرنامہ بھی ہے۔
حیات سعدی ۱۸۸۶ء میں شایع ہوئی۔ جسمیں شیخ سعدی کی نظم و نثر پر نہایت عمدگی
اور خوبی سے مولانا نے ریویو کیا ہے۔ مشہور مؤرخ اسلام شمس العلما مولانا شبلی نعمانی
مرحوم خواجہ حالی نے اس میں جو کچھ لکھدیا ہے اس کے بعد کچھ لکھنا بیفایدہ ہے اسکے آجتک کثیر ایڈیشن
نکل چکے ہیں۔ شکوۂ ہند مشہور ترکیب بند ہے۔ جو سب سے پہلے ۱۸۸۷ء میں شایع ہوا۔
مناجات بیوہ تقریباً ۱۸۹۰ء میں شایع ہوئی۔ متعدد زبانوں میں اسکے تراجم ہو چکے ہیں
دیوان حالی ۱۸۹۳ء میں مرتب کیا جس کیساتھ سوا دو سو صفحہ کا ایک بسیط مقدمہ
شعر و شاعری کی حقیقت اور اسکے حسن و قبح پر لکھا۔ یہ مقدمہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے
بالکل جدید ہے۔ اور اس سے مولانا کی اعلیٰ درجہ کی دماغی قابلیت اور مذاق شاعری کا
نہایت عمدگی کیساتھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ یادگار غالب مرزا غالب دہلوی کی نہایت
مستند و معتبر سوانحعمری ہے۔ جو ۱۸۹۷ء میں شایع ہوئی۔ استاد غالب کے حالات میں
جو شہرت اور مقبولیت اس کتاب کو حاصل ہوئی ہے۔ اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ آج
تک اسکے کئی طبع شایع ہو چکے ہیں۔ حیات جاوید تقریباً ایک ہزار صفحہ کی
سرسید احمد خاں مرحوم بانی مدرستہ العلوم کی بہترین سوانحعمری ہے اور اسکی موجودگی میں
اس مضمون پر کوئی اور کتاب لکھنی یا دیکھنی بالکل فعل عبث ہے۔ مضامین حالی مولانا کے
نثر مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۰۴ء میں شایع کیا گیا۔ مگر اب نایاب ہے۔ اور اسی سال
گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے مولانا کو شمس العلما کا خطاب عطا ہوا جسکے وہ اپنی علمی اور ادبی خدمات
کے لحاظ سے ہر طرح سے لایق و مستحق تھے۔ مجموعہ نظم فارسی و عربی جسکو مولانا نے اپنے انتقال
سے پہلے اگست ۱۹۱۴ء میں چھپوا کر شایع کیا۔ اسکے متعلق مولانا کا ارادہ تھا کہ

اسکو اپنی کلیات نظم اردو کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کریں۔ اور اسی لئے مولانا نے اس
کلیات نظم اردو رکھا تھا۔ مگر اسکی عام طور پر اشاعت نہیں ہوئی اور بہتوں کی نظروں میں نہ
پڑا ہے (وفات) ضمیمہ کے بعد اصل کتاب [illegible] نظم اردو کی تدوین کا [illegible] کہ اجل
نے زیادہ مہلت نہ دی۔ اور دسمبر ۱۹۱۴ء [illegible] کو علم و فضل کا یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے
غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا کی وفات کے بعد اب حال ہی میں مولانا
کا تمام غیر مطبوعہ اور مختلف اخبارات میں منتشر شدہ کلام جواہر حالی۔ پنج گنج حالی وغیرہ
ناموں سے اشاعت پذیر ہوا ہے مگر اب ضرورت ہے۔ کہ مولانا کا تمام اور کل نظموں کا جامع
اور مکمل مجموعہ کلیات نظم حالی کے نام سے آپکے کلام کی خوبیوں کے ایک بسیط مقدمہ کیساتھ
شایع کیا جائے۔ تاکہ شایقین کو حالی کی نظموں کی علیحدہ علیحدہ تلاش کی زحمت سے نجات
ملے اور کلام بھی نایاب اور ضایع ہو جانے کے اندیشے سے محفوظ رہے۔

آپکے کلام نثر و نظم کی خصوصیات | آپکی نثر کی خصوصیات یہ ہیں۔ کہ الفاظ اور معنی کی خوبیوں کو
برابر لحاظ رکھا ہے۔ کلام میں کہیں ابہام یا اشکال نہیں۔ بلفظ البتہ بہت جگہ مشکل ہیں سلاست
کلام میں سرسید مرحوم کا درجہ مولانا مرحوم سے بہت زیادہ ہے۔ بامحاورہ اور دلچسپ عبارت
لکھنے میں پروفیسر آزاد یقینی بالا ہیں۔ مگر فلسفیانہ اور محققانہ نظر اور لٹریچر کے موزوں نکات
پرچسپیدہ عیوب مولانا حالی کو تھا سرسید اور آزاد مرحوم وہاں تک نہیں پہنچے۔ مولانا حالی کے
مضامین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکا دل ایک نہایت شفاف اور پاک دریا ہے۔ جو
نہایت صفائی اور تیزی سے بہتا ہے میں کہ درست اعتبار [illegible] کلام [illegible]
کے ادبی اور اخلاقی فوائد بغیر کسی قسم کی خرابی کے [illegible] مولانا [illegible] کے
اور نیچرل اور قومی شاعری کے مجدد ہیں۔ آپکا کلام [illegible] اور ا
لحاظ سے اگر ایران میں حضرت سعدی شیرازی ایک [illegible] اور مصلح قوم شاعر ہو گزرے
ہیں۔ تو مولانا حالی یقیناً ہندوستان کے معجز بیان سعدی ہیں۔ ختم شد

...میں ہم جیتے تو دار نہ تھی کمتر آشفتہ سری   غالبؔ آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و وزیر

تاریخ حریتِ اسلام

(مرتبہ و مؤلفہ منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری)

اس میں زمانہ رسالت - عہد خلافت راشدہ - دور خلفائے بنی امیہ
و عباسیہ - عہد بنی بویہ و سلجوقیہ - دولت ہسپانیہ و غزنویہ
کے علاوہ ٹرکی و مصر - الجزائر و مراکش - فرمانروایان ہند
(خاندان افاغنہ و غلامان و عہد مغلیہ وغیرہ) اور مسلمان بادشاہان
دکن - سندھ و کشمیر کے عہدہائے گذشتہ کے راستباز -
حق پرست - حق گو بزرگوں کے حیرت خیز - جرأت آفریں
اور ولولہ انگیز استقلال اور جوش و ایثار کے حریت آموز
حالات اور عدل و انصاف - حریت و مساوات - خدا ترسی و پاکیزہ
نفسی کے حامی بادشاہوں کے سبق آموز واقعات کے علاوہ پرستاران
حق و صداقت اور فدائے مذہب و ملت عورتوں کے سوانحات درج ہیں۔ تیسری
بار اعلیٰ ولایتی کاغذ پر چھپی ہے - اور اعلیٰ مجلد ہے۔ قیمت [illegible]

المشتہران
شیخ جان محمد الٰہی بخش تاجران کتب علوم مشرقی - گنپت روڈ انارکلی لاہور